بغاوتِ عرب اور لارنس

یعنی

ترکانِ عثمانی سے شریف حسین کی بغاوت
اور کرنل لارنس کے کارناموں کا تذکرہ

مؤلفہ

مولانا چراغ حسن صاحب حسرت

جسے

بحفظ حقوق دائمی منشی نور علی خاں نے

اُردو کتب خانہ لاہور سے شائع کیا

بار اول تعداد ۱۰۰۰ — قیمت ایک روپیہ

منصور حیدر راجہ

بغاوتِ عرب
اور
کرنل لارنس
حسرت

بغاوت عرب اور لارنس

یعنی

ترکان عثمانی سے شریف حسین کی بغاوت
اور کرنل لارنس کے کارناموں کا تذکرہ

مؤلفہ

مولانا چراغ حسن صاحب حسرت

جسے

باخذ حقوق دائمی منشی تہور علی قالی نے
اُردو کتب خانہ لاہور سے شائع کیا

بار اول تعداد ۱۰۰۰
قیمت ایک روپیہ

فہرست

تصاویر

نقشے

از حضرت سالک مدظلہ مدیر "انقلاب" لاہور

زبانِ اُردو کا دامن جہاں اَور بہت سی اچھی چیزوں سے خالی ہے۔ وہاں سیاسی تالیفات کے اعتبار سے بھی اس کی بے مائگی بہت نمایاں ہے۔ اخبارات اُٹھا کر پڑھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ اہلِ ہند سیاسیات میں سرتاپا مستغرق ہیں۔ اور ان کو اس کے سوا دنیا میں اَور کوئی کام نہیں۔ لیکن کتب خانوں میں اُردو کی سیاسی کتابیں تلاش کیجئے۔ تو ایک بھی کام کی کتاب دستیاب نہ ہوگی (الّا ماشاء اللہ) میرے نزدیک یہی وجہ ہے۔ کہ ہماری اکثر تحریکات ناکام رہ جاتی ہیں ؎

اخبارات کے مضامین کا غلغلہ روزانہ صرف چند گھنٹے تک رہتا ہے۔ گو اس سے ہیئت اجتماعی کے تلاطم ذخّار کی سطح پر بعض دفعہ ہلکی ہلکی اور بعض اوقات پُر شور موجیں بھی اُٹھنے لگتی ہیں۔ لیکن یہ تموّج

تلاطم اکثر حالات میں سطحی ہوتا ہے۔ اور اس سمندر کی گہرائیاں بدستور امن
و سکون کی سرمایہ دار رہتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مسائل سیاسی
کی حقیقی اہمیت جمہور کے قلوب میں جاگزیں نہیں ہوتی۔ ان مسائل
پر اہل علم اور ارباب نظر محنت و تحقیق نہیں کرتے۔ اور ان کے تمام
پہلو کما حقہٗ عوام کے سامنے پیش نہیں کئے جاتے۔ اخبارات تازہ
ترین حالات و کوائف پر رائے زنی کر کے ایک وقتی ہنگامہ ضرور
پیدا کر دیتے ہیں لیکن قوم کے اعماق قلوب کو مستقل طور پر متحرک نہیں
کر سکتے۔

زندہ ممالک میں صرف اخبارات پر حصر نہیں کیا جاتا۔ جونہی داخلی
یا خارجی سیاسیات کا کوئی مسئلہ رائے عامہ میں حرکت پیدا کرنے لگتا
ہے۔ اس مسئلہ کے ماہرین اس کے تمام پہلوؤں پر تحقیق و تدقیق کی
نظر ڈال کر ایک خاص مقصد اور مطمح نظر سے مستقل کتابیں تصنیف کرنے
لگتے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے قوم کے تعلیم یافتہ طبقے میں اس
مسئلہ پر عالمانہ و مجتہدانہ غور و بحث کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ رائے
عامہ میں بے راہ روی داخل نہیں ہونے پاتی۔ اور صحیح معلومات کے
حصول کے بعد اخبارات کی اطلاعات کے سمجھنے میں بھی سہولت ہو جاتی
ہے۔ لیکن ہندوستان میں حالات بالکل مختلف ہیں۔ یہاں ایک دن
دفعۃً چین کی خانہ جنگی کی خبریں موصول ہونے لگتی ہیں۔ اور اخبارات
نہایت بے تکلفی سے انہیں شایع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ خبریں

متواتر تین مہینے تک شایع ہوتی رہتی ہیں لیکن قارئین جرائد کچھ نہیں سمجھتے۔ کہ وو پی تی ڈ کسی آدمی کا نام ہے۔ یا کسی جانور کو کہتے ہیں۔ چانگ سو لین رئیس الاحرار ہے۔ یا دول خارجہ کا ٹپھو ہے۔ ہانکاؤ کسی جرنیل کا نام ہے۔ یا شہر کا۔ اس جنگ کے اسباب کیا ہیں۔ اس کے طرفین کون کون ہیں۔ قوم پرستانہ نقطۂ نظر سے اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے۔ غرض "ظلمات بعضہا فوق بعض" کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اگر اردو میں فی الفور مسئلہ چین پر ایک دو اچھی کتابیں تصنیف کرکے شایع کردی جاتیں۔ اور ان میں اس کے تمام پہلو روشن کر دیئے جاتے۔ تو جہل و نافہمی کا یہ افسوسناک منظر کبھی پیدا نہ ہوتا +

ہندوستان کے مسلمانوں ہی کو دیکھئے۔ خلافت عثمانیہ اور جزیرۃ العرب کے تحفظ کی خاطر انہوں نے انتہائی قربانیاں دیں ہزارہا پُرجوش مسلمان قید ہوگئے۔ انگلستان کے استعماری نظام کے خلاف نفرت و غیظ کے جذبات سے کئی سال تک سارا اسلامی ہند شعلہ زار بنا رہا۔ اردو کے اخباروں کی اشاعتیں پندرہ پندرہ بیس بیس ہزار تک پہنچ گئیں۔ لیکن اس تمام ہنگامے کے باوجود کتنے پڑھے لکھے آدمی ہیں جنہیں جزیرۃ العرب اور ترکی میں اجانب کی سازشوں کا تاریخی ماجرا معلوم ہے۔ ہمارے نزدیک اس قسم کے واقف حال بزرگوں کی تعداد انگلیوں پر گننے کے قابل بھی نہ ہوگی۔ جب سیاسیات اسلامی کے ایک اہم ترین مسئلہ کے مالہٗ وما علیہ سے مسلمانوں کی بے خبری و

ناواقفیت کا یہ عالم ہو۔ تو خود ہی سمجھ لیجئے۔ کہ اس مسئلہ کے متعلق
تحریک کی حیثیت کیا ہوگی۔ اور اس کی پائیداری اور گہرائی کا کیا
حال ہوگا۔ ہندوستان میں اس تحریک کے سلسلے میں جو کچھ ہوا۔ اس کو
بھی مولانا ابوالکلام آزاد کی مشہور کتاب "خلافت عثمانیہ اور جزیرۃ العرب"
ہی کا اثر سمجھنا چاہئے۔ جس نے سب سے پہلے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو
اس مسئلہ کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ اگر اسی مسئلہ کی سیاسی۔
تاریخی۔ مذہبی اور تمدنی حیثیات پر پندرہ بیس اچھی کتابیں شائع
کر دی جاتیں۔ تو عوام کی بے خبری کا یہ حال نہ ہوتا۔ جو آج نظر آرہا ہے۔
مغربی استعمار سرزمین عرب میں بدستور کارفرما ہے۔ فلسطین
شام۔ عراق۔ نجد۔ حجاز۔ عسیر۔ یمن سب کے سب کسی نہ کسی حیثیت سے
اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ کرنل لارنس اب تک اپنی تمام فتنہ سامانیوں
کے ساتھ مصروف کار ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ جس شخص کی نامبارک
کوششوں اور سازشوں سے بغاوت عرب کی آگ مشتعل ہوگئی تھی
زمانہ مستقبل میں عالم اسلامی کو کیسے کیسے ہولناک حوادث سے
روشناس کرنے والا ہے۔ میرے نزدیک مولانا چراغ حسن صاحب
حسرت نے یہ کتاب لکھ کر اسلامی سیاست و تاریخ پر بہت بڑا احسان
کیا ہے۔ یہ کتاب کرنل لارنس کی سوانح عمری نہیں۔ بلکہ بغاوت عرب
کی ایک مختصر لیکن جامع تاریخ ہے۔ اس کے مطالعہ سے مسلمانوں
کو بہت سے ایسے حقایق معلوم ہوں گے جو اس سے پہلے ان

کے پیشِ نظر نہیں تھے کرنل لارنس کے متعلق بھی مسلمانوں میں معلومات کی بہت قلت ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا۔ کہ اس شخص نے دورِ حاضر میں اسلام کی سیاسی قوت کو فنا کرنے میں کس قدر خوفناک حصہ لیا ہے +

تاریخی حیثیت کے علاوہ ادبی پہلو سے بھی مولانا حسرت کی یہ کتاب بیحد قابلِ قدر ہے۔ اور زبان کی صحت۔ اندازِ بیان کی سلاست و سادگی اور الفاظ و تراکیب کی دلاویزی نے اس کی افادی حیثیت کو بہت کچھ تقویت دے دی ہے۔ میں دل سے چاہتا ہوں۔ کہ ہر مسلمان اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اس مختصر سے مقدمے کے ساتھ اس کو جمہور کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں +

لاہور
۹۔ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

عبدالمجید سالک

تمہید

مغربی اہل قلم جب کسی کتاب کی تصنیف کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک عرصہ تک اُس کے لئے مواد فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح حالات کی تحقیق و تدقیق اور تفحص و جستجو میں ایک زمانہ گذر جاتا ہے۔ تو کہیں کتاب لکھی جاتی ہے۔ پھر مدتوں حک و اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ اور ان مراحل سے گذرنے کے بعد وہ کہیں دنیا کے سامنے پیش کرنے کے قابل سمجھی جاتی ہے +

مجھے اعتراف ہے۔ کہ ان اوراق پریشاں کی تالیف میں اس قدر کدوکاوش نہیں کی گئی۔ اس لئے جو ارباب علم اس میں محققانہ شان تلاش کرنا چاہیں گے۔ اُنہیں ایک گونہ مایوسی ہوگی +

اوّل تو ایک اخبار نویس سے اس قدر کاوش و جستجو کی توقع ہی بیجا ہے۔ اُس کے نتائج فکر فقط ہنگامی اور وقتی جوش پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر بدقسمتی سے جس زمانہ میں یہ اوراق زیر تحریر تھے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی فراغ خاطر اور دلجمعی نصیب نہیں ہوئی۔ اور تو اور پریشانیٔ خاطر کے طفیل نظر ثانی بھی نہ

ہو سکی۔ قلم سے جو کچھ نکل گیا نکل گیا۔ پروف بھی منشی تیمور علی صاحب نے پڑھے
اور سچ تو یہ ہے کہ اگر اُن کا اصرار میری کوتاہیوں کا چارہ ساز نہ ہو جاتا تو شاید
یہ چند اجزا ابھی شائع نہ ہو سکتے۔

عجز و درماندگی اور ضعف و شکستہ پائی کی اس حکایت کو کہیں "عذر گناہ
بدتر از گناہ" کا فتویٰ نہ دیدیجیے گا۔ بلکہ اسے اعتراف گناہ کہئے۔ کیونکہ ان اوراق
میں جس قدر خامیاں ہیں۔ وہ میری ہیں۔ اور مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تامل نہیں
کہ اکثر حصے مضطرب اور تشنہ ہیں۔ بعض مقامات پر کتابت کی ایسی غلطیاں رہ
گئی ہیں جنہیں دیکھ دیکھ کر منفعل ہوتا ہوں۔

اس کتاب کی تحریر میں میں نے "رابرٹ گریوز" کی کتاب "لارنس اینڈ عرب"
اور لاول کی کتاب "ود لارنس ان ارابیا" کے علاوہ لارنس کی اپنی تصنیف "ریوولٹ
ان دی ڈزرٹ" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جمال پاشا مرحوم کے روزنامچے سے بھی کافی
مدد لی ہے۔ پہلے ارادہ تھا کہ لارنس کے سوانح حیات لکھے جائیں۔ پھر خیال گذرا کہ
جب تک بغاوت عرب کا اجمالی تذکرہ بھی نہ آجائے۔ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اور
یہی خیال تھا کہ کتاب کا حجم بڑھنے نہ پائے۔ کیونکہ ہمارے اہل وطن طلسم ہوشربا
کے ڈیڑھ ہزار صفحے تو پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن بغاوت عرب کی طویل تاریخ کون پڑھے
نتیجہ یہ ہوا کہ اب اس مجموعہ کو اٹھا کر دیکھتا ہوں تو نہ اسے بغاوت عرب کی تاریخ
کہہ سکتا ہوں۔ اور نہ لارنس کے سوانح حیات کا نام دے سکتا ہوں۔ بلکہ دونوں
بین بین ایک تیسری چیز نظر آتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کتاب کی تر

کا خیال مجھے اُس زمانہ میں پیدا ہوا جب میں زمیندار کے ادارۂ تحریر میں تھا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ کتاب مولینا ظفر علی خاں کے فیضِ صحبت کا نتیجہ اور واقعات بزمِ کانپور کی یادگار ہے۔ اور اس اعتبار سے انہیں کے نام کو اس کا سرنامہ اور عنوان سمجھنا چاہیئے۔

چراغ حسن حسرت

پہلا باب

عرب و عجم

مشرق اور مغرب کی آویزش اُس زمانہ سے برروئے کار چلی آتی ہے جب مغرب کی ایک آبرو باختہ حسینہ ہیلن* نے ایک مشرقی شاہزادہ کے شبستانِ عشرت کو آباد کیا تھا۔ تاریخ کے صفحات اس کشمکش کی خونیں داستان سے رنگین ہیں۔ جو عجم و یونان کے مابین صدیوں تک جاری رہی۔ ہر مرتبہ مغرب کا سر مشرق کے آستانہ جلال پر جھک جاتا رہا۔ تا آنکہ مقدونیہ سے ایک بلند اقبال کشورکشا اٹھا۔ جس نے اپنی عظمت و سطوت کا نقارہ سارے مشرق میں بجا دیا۔ لیکن اسکندر کی فتحمندی چند روز کی مہمان تھی۔ اُس کی آنکھیں بند ہوتے ہی پھر وہی مشرق تھا۔ اور وہی مغرب۔

مشرق کی روحانی فتح مشرق نے محض سیاسی حیثیت ہی سے مغرب پر برتری حاصل نہیں کی۔ بلکہ مغرب کو روحانی تشنگی بجھانے کے لیے بھی مشرق کے جانب ہی رجوع کرنا پڑا۔ یعنی

* ہیلن مینولاس شاہ اسپارٹا کی بیوی اپنے عہد کی حسین ترین عورت تسلیم کی گئی تھی۔ اُسے ٹرائے کا شہزادہ پیرس اُڑا لیگیا تھا۔ اس واقعہ سے ٹرائے کے محاربہ عظیم کی ابتدا ہوئی جسکا ذکر یونانی علم الاصنام کی
کتابوں میں بالتفصیل ہے۔ یونان کے مشہور شاعر ہومر نے بھی اس معرکہ کے ذکر میں زور بیان دکھایا ہے۔

سکندر کے کشور کشایانہ اقدام کو بمشکل تین سو سال گزرے تھے۔ کہ جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا چرچا مغرب میں ہونے لگا۔ اور روما اور یونان کے عناصر پرستوں نے مسیحیت کا حلقہ ارادت اپنے کانوں میں ڈال لیا جزائر برطانیہ کے وحشی بھی اس چشمہ سے سیراب ہوئے۔ یہ مشرق کی روحانی فتح تھی جس کا سکہ آج بھی مغرب پر بیٹھا ہوا ہے +

عربوں کی نہضت مشرقی تمدن ہی کے اس سلسلۂ زریں کی ایک کڑی ہے اور اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کہ عربوں نے مغرب کو سیاسی حیثیت سے ہی محکوم نہیں بنایا۔ بلکہ مغرب اُن کے علم اور فلسفہ سے بھی اثر پذیر ہوا۔ آج جو فلسفہ مغرب کی کلاہِ فخر کا آویزہ بنا ہوا ہے۔ وہ دراصل عربوں کا بخشا ہوا ہے۔ اور لوتھر کی تعلیمات جن پر عیسویت ناز کرتی ہے۔ اسلام کے نورِ سرمدی کی ایک کرن کے سوا اور کچھ نہیں +

عرب فاتحین نے ہرقل کے ایشیائی مقبوضات ایک ایک کرکے چھین لئے۔ اور فلسطین جو مسیحیت کا گہوارہ ہونے کے باعث عیسائیوں کے نزدیک بہت تقدس رکھتا تھا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ عرب مجاہدین بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ اُدھر شمالی افریقہ میں بھی انہوں نے عیسائیوں کو شکست دی اور تمام اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے سامنے ایشیا اور افریقہ کی وسعتیں ہیچ تھیں۔ انہوں نے یورپ کی جانب توجہ کی۔ اور ہسپانیہ کے گاتھ خاندان کی قبائے عظمت پارہ پارہ کر ڈالی ہسپانیہ کو فتح کرکے وہ فرانس کی جانب بڑھے۔ اور یہ ملک بھی فتح کرتے چلے

گئے۔ آخر دریائے لوائر کے کنارے عربوں کی فتحمندی کا سیلاب رک گیا۔ باہمی افتراق کی بدولت انہوں نے ایسی شکست کھائی کہ فرانس کا مفتوحہ علاقہ بھی قبضہ میں نہ رہ سکا +

غلط بیانیاں | اس سلسلہ میں یہ ملحوظ نظر رکھنا چاہیئے۔ کہ عربوں کی فتحمندی کے اس دور میں مغرب کے شعراء اور داستان گو ایسا لٹریچر پیدا کرنے میں مصروف تھے جو مسلمانوں کی مذمت پر مشتمل تھا۔ اور جس میں ان کے عقائد کو نہایت تاریک رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ عربوں[1] کے متعلق نہایت بے سروپا اور لغو قصے مشہور تھے جن کا مقصد صرف اس قدر تھا۔ کہ عیسائیوں کے قلب میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کر دیا جائے۔ مثلاً یہ عقیدہ عام تھا۔ کہ عرب بت پرست ہیں۔ اور ان کے سب سے بڑے بت کا نام (عیاذاً باللہ) محمدؐ ہے۔ ان غلط بیانیوں نے ساری مسیحی دنیا میں آگ لگا دی۔ اور عربوں کے خلاف نفرت و عناد کا جذبہ ہمہ گیر ہو گیا +

فتنۂ تاتار | حلقہ بگوشانِ تثلیث کو فرزندانِ توحید سے جس قدر شدید عداوت رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ محض عربوں کے مشرقی اقتدار کو شکست دینے کے لیئے بیدین تاتاریوں سے روابطِ دوستی قایم کئے گئے۔ اور پاپائے اعظم کی جانب سے تاتاری شہنشاہ کی خدمت میں سفارت بھیجی گئی۔ اگرچہ اربابِ تاریخ نے فتنۂ تاتار کے اسباب و علل کے سلسلہ میں ان حقائق کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن اہل نظر خوب جانتے ہیں۔ کہ وہ برقِ بلا جو مستعصم باللہ کے کاشانۂ اقبال پر گری

---

[1] مسیحی عام طور پر مسلمانوں کو کافر کہتے تھے +

دشتِ قبچاق کی پہنائیوں سے نہیں۔ بلکہ بحیرۂ روم کے ساحل سے اُٹھی تھی +
آخر مسیحیوں کی مذہبی دیوانگی حروبِ صلیبیہ کو بر روئے کار لے آئی۔
اور وہ مجنونانہ جوش سے فلسطین کی جانب بڑھے لیکن نور الدین زنگی۔ اور صلاح
الدین ایوبی کی تلواروں نے فولادی دیواریں بن کر اس بڑھتے ہوئے سیلاب
کو روک لیا +

اس میں شک نہیں۔ کہ کچھ عرصہ تک فلسطین اُن کے قبضہ میں رہا۔ اور
یروشلم کے گلی کوچوں میں عربوں کا خون بیدریغ بہایا گیا۔ لیکن یہ اقتدار عارضی
تھا اور صلاح الدین ایوبی کے مجاہدانہ عزم کی بدولت مشرق میں کہیں بھی
اُن کے قدم جم نہ سکے۔ اُدھر ترکانِ عثمانی کی برقِ شمشیر چمکی۔ اور عیسائی جو مشرق
میں اقتدار قایم کرنا چاہتے تھے ....

.... مغرب کی بائزنطینی سلطنت کو بھی مسلمانوں کے فاتحانہ حوصلوں کی نذر
ہونے سے بچا نہ سکے۔ چنانچہ اِدھر مشرق میں صلیب سرنگوں ہوئی اور اُدھر مغرب
میں ترکوں کا ہلالی پرچم لہرانے لگا + صرف یہ امر اُن کے لئے باعثِ تسکین تھا کہ
عین اُسی زمانہ میں جبکہ مغرب میں ایک اسلامی سلطنت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔
غرناطہ کی اسلامی حکومت کا ستارہ غروب ہو رہا تھا۔ ایک شمع جلائی جا رہی تھی
اور دوسری بجھ رہی تھی +

ہسپانی مسلمان مسلمانوں کو جس طرح ہسپانیہ سے نکالا گیا اُس کی المناک داستان تو
کسی دوسری فرصت کی محتاج ہے۔ لیکن یہاں اس قدر کہنا کافی ہوگا۔ کہ سر
زمین ہسپانیہ کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کرنے کے لئے "جہادِ مقدس" کا علم بلند

کیا گیا۔ اور ملکۂ ازبلا کی مدد کے لئے انگلستان اور فرانس سے "مجاہدین" کے لشکر بھیجے گئے +

ترکانِ[۵] عثمانی کا دامن ہمیشہ اس داغ سے آلودہ رہے گا کہ انہوں نے ہسپانوی مسلمانوں کی پیہم التجاؤں کے باوجود اُن کی اعانت نہیں کی۔ اور غرناطہ کا آخری بدنصیب

---

[۵] ابوالبقا صالح بن شریف الرندی نے جو اس عہد کا ایک نغز گو شاعر تھا۔ ایک دلگداز مرثیہ لکھا۔ جس میں اندلس کے مسلمانوں کی بیچارگی کا ذکر کر کے مسلمانانِ عالم سے اعانت کی التجا کی گئی تھی۔ سلطان مراکش نے اس کی نقلیں اکثر مسلمان بادشاہوں کے پاس بھیج دیں۔ اس مرثیہ کے آخری اشعار جو درد و حسرت کے سرمایہ دار ہیں۔ پڑھئے۔ اور مسلمان سلاطین کی بے دردی کا ماتم کیجئے +

یا راکبین عتاق الخیل ضامرۃ	(۱) اے نجیب اور پتلی کمر والے گھوڑوں پر سوار ہونے والو جو گھوڑ دوڑ کے میدان میں عقاب ہیں۔
کانہا فی مجال السبق عقبان	
وحاملین سیوف الہند مرہفۃ	(۲) اور ہندی تلواریں اٹھانے والو۔ جو معرکہ کارزار کے غبار کی تاریکی میں شعلے کی طرح چمکتی ہیں
کانہا فی ظلام النقع نیران	
وراتعین وراء البحر فی دعۃ	(۳) اور سمندر پار راحت کی زندگی بسر کرنے والو اور اپنے گھروں میں عزت سے رہنے والو
لہم باوطانہم عز و سلطان	
اعندکم نبأ من اہل اندلس	(۴) کیا تمہیں اہل اندلس کی بھی کچھ خبر ہے؟ انکی المناک داستانوں کو لیکر شتر سوار دنیا کے اطراف میں پہنچ چکے ہیں +
فقد سری بحدیث القوم رکبان	
کم یستغیث بنا المستضعفون وہم	(۵) ضعیف و نزار مقتول اور اسیر تم سے امداد کے لیے بارہا فریاد کر چکے ہیں۔ مگر صد حیف کہ کسی فرد بشر کی رگِ حمیت جنبش میں نہیں آئی +
قتلی واسری فما یہتز انسان	(۶) مدعی اسلام ہونے کے باوجود تم نے بے دردی (ملاحظہ ہو صفحہ ۶)

تاجدار ابو عبداللہ اشکِ حسرت بہاتا اپنے مستقر سلطنت سے رخصت ہوگیا ✦

ترکوں کے کشور کشایانہ عزائم کی داستان سے تاریخ کے اوراق تابناک ہیں۔ اور یہ حقیقت "راز درون پردہ" نہیں کہ مجاہد ترک صدیوں تک مغرب کے سینہ پر کابوس بن کر سوار رہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے۔ ظلمت آباد فرنگ میں وہ تلوار کے زور سے دن بسر کر رہے تھے ✦

یورپ کی مسیحی سلطنتوں نے کبھی صدق نیّت سے اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات قایم نہیں کئے۔ اور اُن کی حریص نگاہیں ہمیشہ ترکوں کے مشرقی مقبوضات پر پڑتی رہیں۔ ترکی سلطنت کے دورِ انحطاط میں دولِ فرنگ سازشوں کے حربے لے کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ترکوں کے مغربی اور مشرقی مقبوضات کا بیشتر حصہ اُن کے قبضہ سے نکل گیا ✦

وہ طرابلس اور بلقان کی محاربات سے ابھی بمشکل سنبھلے تھے۔ کہ جزیرہ نمائے بلقان سے جنگ کی آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ اور محاربۂ عمومی کا آغاز ہوگیا۔ ترکوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کہ وہ اس آگ میں کود پڑیں کارکنانِ قضا و قدر کو یہی منظور تھا کہ پرستارانِ صلیب کی دیرینہ آرزو پوری ہو۔ اور ارضِ مقدّس اُن کے قبضہ میں آجائے ✦

ماذا التقاطع فی الاسلام بینکم
وانتم یا عباد اللہ اخوان
الا نفوس أبیات لها همم
اما علی الخیر انصار واعوان

کیونکر اختیار کر لی۔ خدا کے بندو تم تو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہو ✦
(۷) کیا اس خراب آبادِ حیات میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں۔ جو غیرت مند اور ذی ہمت ہو۔ کیا نیکی بدی میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے والے دنیا سے اُٹھ گئے ✦

دوسرا باب

شریف حسین اور ترک

شریف حسین کا مورثِ اعلیٰ قتادہ سادات جہینہ سے تعلق رکھتا تھا۔ قتادہ ایک باتدبیر اور صاحبِ عزم شخص تھا۔ اُس نے عرب میں ایک قوی شوکت سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اور یمن سے خیبر تک تمام ملک پر متصرف ہوگیا ۱۵۱۷ء میں محمدؐ ابن البتی نے جو خاندان قتادہ کا ایک جلیل القدر فرمانروا تھا قسطنطنیہ پہنچ کر مکہ معظمہ کی چابیاں سلطان سلیم کے سپرد کر دیں۔ اور اس تاریخ سے عرب ترکانِ عثمانی کی حفاظت میں آگیا +

نصاریٰ کے حوصلے یہ عہد وہ ہے جبکہ ایک اُلوالعزم پرتگیز جہازراں" واسکوڈے گاما" ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کر چکا تھا۔ اور مشرقی سمندر فرنگستانی جہازوں کی جولانگہ بن چکے تھے۔ اہلِ فرنگ نے مشرق میں پہنچ کر دیکھا۔ کہ دُنیا کی وہ عجیب ترین قوم جس کے کشورکشایانہ حوصلوں اور مجاہدانہ اقدام نے اُن پر مغرب کی وسعتیں تنگ کر دی ہیں۔ اور جس کی ترکتاز سے مغرب کی کوئی سلطنت محفوظ نہیں۔ عرب کو اپنا دینی مرکز سمجھتی ہے۔ تو اُنہیں خیال گزرا۔ کہ اگر اس سرزمین پر

مسیحیت کا علمِ اقتدار لہرانے لگے۔ تو مسلمانوں کی شاہی کو محکومی اور آزادی کو غلامی سے بدل دینا چنداں دشوار نہیں۔ لیکن جلد ہی اُن پر یہ حقیقت بھی کُھل گئی کہ اگر کسی مسیحی نے اس ارضِ پاک کو اپنے قدموں سے آلودہ کرنے کی جرأت کی۔ تو دُنیا کے ہر گوشہ سے فرزندانِ توحید علمِ جہاد لے کر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور پرستارانِ صلیب پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔ اس لئے اُنہوں نے عرب پر حملہ کی جرأت تو نہ کی۔ لیکن اس ملک کے اقتصادی اور تجارتی ذرائع پر قبضہ کرنے کے لئے سازشیں ہونے لگیں +

مغربی حیلہ طراز اپنے اس ارادہ میں کسی حد تک کامیاب ہوئے۔ یعنی عرب کے ساحلی مقامات پر اُنہوں نے دامِ فریب پھیلا دیا۔ چنانچہ ۱۷۹۸ء میں برطانیہ نے سلطان مسقط سے ایک تجارتی معاہدہ کیا ۱۸۲۰ء میں بحرین کے شیوخ سے اسی نوع کا عہدنامہ کیا گیا۔ اور ۱۸۳۹ء میں عدن اُس کے قبضہ میں آگیا +

محمد بن العون | عدن پر قبضہ کرنے کے بعد شریفِ مکّہ پر ڈورے ڈالے گئے۔ اُس وقت شریف حسین کا دادا محمد العون شریفِ مکّہ تھا۔ یہ شخص بآسانی اس دام میں آگیا۔ اُس کی فرنگی دوستی نے حلقہ بگوشانِ تثلیث کو دلیر کر دیا۔ اور اُس کی بے دینی کی بدولت ایک انگریز سیاح ڈاوٹی[1] نام مدتوں اس ارضِ پاک میں جس کے دروازے مسیحیت کے فرزندوں پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے تھے رہ کر عرب کے معاشرتی اور مذہبی حالات قلمبند کرتا رہا۔ محمد العون کو ۱۸۶۰ء میں ایک بدو کے

---

[1] چارلس مانٹیگو ڈاوٹی کی کتاب "صحرائے عرب کی سیاحت" اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے اسکا مقدمہ کرنل لارنس نے لکھا ہے

خنجر نے شربتِ اجل پلا دیا۔

جب سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے حجاز ریلوے کی تعمیر کا ارادہ کیا تو محمد العون کے فرزند علی نے جو اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ اور جسے فرنگی دوستی اور اسلام دشمنی ورثہ میں ملی تھی۔ عربوں کو سلطان کے خلاف اُکسایا۔ اور اُنھوں نے حجاز ریلوے کے ایک حصّہ کو تباہ کر دیا۔ سلطان عبدالحمید خاں کی نگاہِ دُور رس نے پہچان لیا، کہ علی کا بیٹا حسین ایک سرکش اور عیّار نوجوان ہے۔ اور اگر اُسے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ تو وہ ترکوں کے مشرقی اقتدار کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ چنانچہ حسین کو قسطنطنیہ میں طلب کر کے نظر بند کر لیا گیا۔ لیکن بظاہر وہ شاہی مہمان تھا۔ اور اُس کے تمام مصارف خزانۂ سلطانی سے ادا کئے جاتے تھے۔

انجمن اتحاد و ترقی | حسین استنبول میں ہی تھا کہ نوجوان ترکوں نے اپنی یکتائی کا علم بلند کیا۔ اور انجمن "اتحاد و ترقی"۔ جس کے ارکان میں انور، طلعت اور جمال جیسے محبّ وطن اشخاص شامل تھے۔ اقتدار حاصل کر کے سلطان عبدالحمید خاں کو معزول کر دیا۔

یہ انقلاب ایک سلطان کے عزل اور دوسرے کے نصب تک ہی محدود نہیں تھا۔ بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ سلطنت کی حکمت عملی میں ایک تغیر واقع ہو گیا۔ اور ترکی کے طول و عرض میں وطنیت کے وہ افکار و عقاید پھیل گئے جن کی اشاعت مغربی مفکّرین ایک عرصہ سے کر رہے تھے۔ نوجوان احرار نے حسین اور اُس کے فرزندوں کو رہا کر دیا۔ اور صرف رہا ہی نہیں کیا۔ بلکہ حسین کو شریف مکّہ مقرر کر کے اُس کے جرائم پر خطِ عفو کھینچ دیا۔

حرکت وطنیہ جس حرکت وطنیہ کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اُس سے عربستان بھی متاثر ہو چکا تھا۔ اور بعض عرب ارباب فکر جن میں زیادہ تر شامی نوجوان تھے۔ ایک عرب سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان افکار کا سرچشمہ مغرب تھا۔ اور ترکوں سے عربوں کا پیوند قطع کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طریق نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ اُن کے دماغ میں وطنیت اور آزادی کے خیالات بے ترتیبی سے ٹھونس دیئے جاتے۔ وطنیت کے اس مجنونانہ جذبہ کو فہم و بصیرت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن چونکہ بظاہر یہ جذبہ نہایت جاذب نظر اور دلکش دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے اس عہد کے اکثر فضلا بھی گمراہ ہو گئے۔ اور عرب کی "حرکت وطنیہ" کی حمایت و تائید کرنے لگے۔ ان لوگوں میں "المنار" کے فاضل رئیس التحریر علامہ رشید رضا بھی تھے۔ جن پر بعد میں ظاہر ہو گیا۔ کہ ارباب غرض نے "وطنیت" کا ڈھونگ کھڑا کرنے میں کیا مصلحت دیکھی تھی۔

جب جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو یہ تحریک شباب پر تھی۔ شام اور فلسطین میں بعض انقلابی مجالس مرتب ہو چکی تھیں۔ اور عربوں کو ترکوں کے خلاف برانگیختہ کیا جا چکا تھا۔ لیکن جب ترکوں نے جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا۔ اور استنبول سے تمام رؤسا اور وعمدۃ کے نام فرامین جاری کئے گئے تو حسین نے ترکان احرار کو یقین دلایا کہ سارا عربستان اُن کے علم کے نیچے مجتمع ہو کر تحفظ حرمت و ناموس اسلام کی خاطر کٹ مرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

شریف کے مطالبات ادھر تو ترکوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا جا رہا تھا۔ اُدھر بحیرۂ قلزم کے غیر آباد ساحل پر انگریز افسروں سے خفیہ ساز باز ہو رہا تھا۔ اور ضمیر فروشی اور غداری کی قیمت طلب کی جا رہی تھی۔ حسین کے مطالبات[1] یہ تھے کہ شامل ہیں

(۱) موسیو گستان گیلارد نے اپنی کتاب "ترک اور یورپ" میں نہایت وضاحت سے ان امور کا تذکرہ کیا ہے۔

مرسینا تک ۔ جنوب میں بحرِ ہند تک ۔ اور مشرق میں ایرانی سرحد تک تمام علاقہ پر اُس کی بادشاہت تسلیم کرلی جائے ۔ انگریزوں نے جواب دیا کہ مرسینا ۔ اسکندرونہ اور حمص وغیرہ عرب میں شامل نہیں ہیں ۔ اس لئے اُس علاقہ پر اُس کی سیادت منظور نہیں کی جاسکتی ۔ البتہ مشرقی اور جنوبی حدود کے متعلق اُس کا مطالبہ منظور ہے ۔ غرضکہ حسین نے ان شرائط پر انگریزوں سے معاہدہ کرلیا ۔ اور بغاوت کے نقیب اور داعی یہ خبر لے کر تمام عربستان میں پھیل گئے ۔

تیسرا باب

بغاوتِ عرب کے اسباب و علل

تاریخ کا طالب علم جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو اُس کا ذہن فوراً اُن اسباب و علل کی تلاش و جستجو میں مصروف۔۔۔۔ ہو جاتا ہے جنہوں نے سارے عرب کو ترکانِ عثمانی کے مقابلہ میں صف آرا کر دیا۔ اور جب اُسے ترکوں کی مشرقی حکمت[1] عملی میں کوئی ایسا واضح اور نمایاں نقص نظر نہیں آتا جو بغاوت کا محرّک ہوا ہو۔ تو قدرتاً اُس کا ذہن ان مغربی طاقتوں کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے جنہوں نے اس سیاسی انقلاب میں فائدہ اُٹھایا۔ اور سوچنے لگتا ہے۔ کیا انقلاب کی وہ چنگاری جو عرب کے خرمن عافیت کے حق میں برقِ بلا بن گئی۔ استعمارِ مغرب کے آتشکدہ سے آئی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ہمیں عربستان کی بغاوت کے محرکات تلاش کرنے کے لئے اسی گوشہ کی جانب رُخ کرنا چاہئے۔

کارلائل اور علمائے اجتماع کا ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ افراد جماعتوں میں انقلاب

---

[1] کرنل لارنس نے لندن ٹائمز کے ایڈیٹر کے نام ۱۹۲۰ء میں جو مکتوب لکھا تھا۔ اُس میں خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ عرب ترکوں کی سلطنت سے خوش تھے۔

برپا کر کے اُن کے سیاسی نظام کو یکسر متغیر کر دیتے ہیں محققین کے ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے۔ کہ جماعتیں انقلاب برپا کرتی ہیں۔ لیکن عرب کا انقلاب بہت حد تک افراد کا مرہونِ منّت تھا جو عربوں کے طبعی رُجحان، مذہب اور تمدّنی روایات سے باخبر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ عربوں کی طبیعت میں انقلابی اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ وہ ایک سیاسی شعور کے مالک تھے۔ لیکن اس استعداد سے فائدہ اُٹھا کر اُنہیں بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کرنے والے معدودے چند افراد تھے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ افراد کون تھے۔ کیا عرب میں لینن۔ کمال پاشا۔ یا مسولینی جیسی کوئی شخصیت پیدا ہوئی نہیں حقیقت یہ ہے کہ ان افراد کو فطری جذبۂ حب وطن نے دعوتِ انقلاب دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان میں بعض اربابِ غرض تھے۔ اور بعض مغرب کے مجہول افکار اور وطنیت کے فرنگستانی تخیل کے دلدادہ جنہیں دولِ مغرب نے اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ غرضکہ یہ لوگ دراصل استعمارِ مغرب کے نقیب تھے۔ لیکن اُنہوں نے خود کو وطنیت کا داعی سمجھ رکھا تھا۔

شریف حسین اقتدار کا جویا تھا۔ اس کے چاروں فرزند علی۔ فیصل۔ عبداللہ اور زید جاہ و جلال کے بھوکے تھے۔ اور اُن کی پشت پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کا دستِ شفقت تھا۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جو نیک نیتی سے "استقلالِ عربستان" کو منتہائے نظر سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن دراصل اُن کا تصورِ وطنیت بھی اہلِ مغرب کی حیلہ طرازیوں کا مرہونِ منّت تھا۔

دنیا کے ہر ملک میں حقوق۔ مساوات۔ اخوّت اور حرّیت کے نام پر دعوتِ انقلاب دی گئی لیکن دراصل اس دعوت کی پشت پر مختلف شخصیتیں تھیں۔ جو نظامِ سیاسی

کے بدلتے ہی برہنہ تلواریں لئے نمودار ہوئیں۔ اور تو اَور فرانس میں جہاں شاہی اور ملکیت کے خلاف نہایت کامیاب جہاد کیا گیا یہی صورت پیش آئی یعنی ابھی انقلاب کا طوفان بمشکل تھما تھا۔ اور قوم کی تخریبی اور سلبی "قوتیں" چند لمحوں کے لئے آسودہ ہوئی تھیں۔ کہ یکایک پرستارانِ انقلاب کے گروہ سے ایک مستبد شخصیت نمودار ہوئی۔ اور اُن تمام لوگوں نے جو شاہی کے تصور سے لرز جاتے تھے اُس کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور اُسے اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا ۔

عرب میں کوئی نپولین پیدا نہیں ہوا لیکن اخوت و حریت کے وعظ کی پشت پر استبداد کا وجود ضرور تھا۔ شریف حسین بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ تو محض ایک حربہ تھا۔ جسے دول فرنگ نے اپنے مستعمرانہ عزائم کی پیش رفت کے لئے استعمال کر کے پھینک دیا۔ درحقیقت عرب کی دعوت حریت یا یوں کہئے کہ اتحاد عرب اور استقلال عرب کی اس عافیت سوز تحریک کی پشت پر استعمار فرنگ کی مستبد قوت تھی اور جب انقلاب کی آگ فرو ہوئی تو یہ قوت برہنہ تلوار لئے نمودار ہوئی۔ سارے عہود و مواثیق طاق پر دھرے رہ گئے ۔ اور فریب خوردگان وطنیت کی آنکھیں کھل گئیں ۔

پان اسلامزم مسیحی دنیا "پان اسلامزم" یعنی اسلام کی بین الاقوامی دعوت سے بہت خائف تھی۔ اُسے بخوبی معلوم تھا کہ اگر مختلف النسل مسلمان متحد ہو گئے۔ تو اُنکا وجود سارے یورپ کے لئے ایک خطرہ بن جائے گا۔ اس اتحاد اسلامی کو شکست دے کر ترکوں کو یورپ سے نکالنے اور اسلامی ممالک کو مسیحیت کے حیطۂ اقتدار میں لانے کے لئے ایک وسیع سازش کی گئی۔ ترکوں کو پہلے وطنیت کا درس دیا گیا۔ یعنی یہ کہا گیا۔ کہ وہ ترک

ہیں۔ عربوں اور مصریوں سے اُن کا کوئی نسلی رشتہ نہیں۔ اس لئے انہیں وطنیت کو اخوت اسلامی پر متقدم سمجھنا چاہیئے۔ پھر تحریک اتحاد تورانی کا علم بلند کیا گیا۔ یعنی والگا کے کنارے سے باسفورس کے ساحل تک یہ صدا گونج اُٹھی۔ کہ تمام تاتاریوں کو جو قفقاز۔ قازان۔ کریمیا۔ استراخان۔ ترکی اور افغانستان میں پھیلے ہوئے ہیں متحد ہو جانا چاہیئے ٭

اتحاد تورانی پر وفیسر ویمری کے قلم نے اس تحریک کا نام اُچھالنے میں بہت حصہ لیا اور روسی مسلمان تو اس خیال سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ وہ روس کو چھوڑ کر ترکی میں آباد ہونے لگے۔ انہی دنوں ایک تاتاری ادیب یوسف بے اقچورا اوغلو نے قسطنطنیہ میں مجلس اتحاد تورانی کی بنیاد ڈالی۔ اور تورانی تحریک کی تائید و حمایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "تین سیاسی نظام" ہے ٭

دوسری جانب عربوں سے کہا گیا کہ ترک اسلام کو چھوڑ چکے ہیں۔ مذہب سے اُنہیں کوئی سروکار نہیں۔ کوئی معصیت ایسی نہیں جس کے ارتکاب پر وہ اپنے نفس کو دلیر نہ پاتے ہوں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ عرب عربی کو چھوڑ کر ترکی زبان اختیار کر لیں۔ اُن کی شوخ چشمی اور دیدہ دلیری اس حد تک جا پہنچی ہے کہ وہ قرآن کریم میں تحریف کر رہے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے قرآن میں انبیاء علیہم السّلام کے اسمار کی جگہ تاتاری بادشاہوں کے نام لکھ دیئے ہیں۔ عربوں کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر یہانتک مشہور کر دیا گیا کہ ترک خدائے واحد کے بجائے "گرگ سپید" کی پرستش کرتے ہیں جنہیں اُن کے اسلاف ظہور اسلام سے پہلے وسط ایشیا کے برفانی میدانوں میں پوجا کرتے تھے۔ غرضکہ ترکوں کے الحاد کی داستانیں کچھ اس طرح بیان کی گئیں کہ

عرب اُن سے قطعاً متنفّر ہو گئے ٭

اس کے ساتھ عربوں[1] کو وطنیت کے ہم رنگ زمین دام میں اُلجھانے کی کوشش کی گئی۔ انہیں اسلاف کے کارنامے یاد دلائے گئے۔ اور یہ اعتراف کیا گیا۔ کہ فرنگستان میں تہذیب کی جو شمع تجلّیاں بکھیر رہی ہے۔ اُس کی روشنی اسلام کے چراغ ایزد فروز سے مستعار لی گئی ہے ٭ انہیں یہ کہہ کر غیرت دلائی کہ عرب جنہیں قرآن کے مخاطب اوّلین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ملحد ترکوں کے محکوم کیونکر رہ سکتے ہیں ٭ چنانچہ اُسی زمانہ میں جبکہ ایک جانب " اتحادِ تورانی " کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ دوسری جانب " اتحادِ عرب " کا راگ الاپا جا رہا تھا ٭

مسیحی پادری مغربی استعمار کے نقیب ہیں۔ وہ اگرچہ مرکزِ عرب میں پہنچ کر ان خیالات کی اشاعت تو نہیں کر سکتے تھے لیکن شام اور فلسطین میں وہ جہاں جہاں پہنچ سکے اسی نوع کے افکار نہایت سُرعت سے پھیل گئے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو عربوں کا بھیس بدل کر حجاز تک جا پہنچے[2]۔ مشہور سیّاح ڈاؤٹی عرصہ تک حجاز میں

---

[1] ملاحظہ ہو " ودلارنس ان عربیبیا " " لارنس کے ساتھ عرب میں " ۔ مصنفہ لاول ٹامس ۔ صفحہ ۵۰۔

[2] جن مغربی سیّاحوں نے عرب کی سیّاحت کر کے اُس کے آثار کا معائنہ کیا۔ اُن میں سب سے پہلا شخص نیوبھر ہے سنہ ۱۷۶۱ء میں ڈنمارک کی حکومت نے سیّاحوں کا ایک وفد بھیجا تھا، نیوبھر اس جماعت کا سرگروہ تھا۔ لیکن اُس کی سیاحت زیادہ تر یمن کے علاقہ تک محدود رہی۔ اس کے بعد بھیرج۔ بوٹا۔ ٹیمرز وغیرہ نے عسیر کی سیاحت کی۔ ان کے بعد ارنا ڈ نے جوف کے آثار کا مطالعہ کیا سنہ ۱۸۶۹ء میں ہالوے نے حتمیا کے آثار کی تحقیق کی۔ اس کے بعد آسٹریا کے ایک ماہرِ علمِ آثار گلوزر نے حمیری آثار کا معائنہ کیا۔ لیکن یہ لوگ سواحلی علاقوں سے

رہا۔ وہ عربی زبان نہایت صفائی اور روانی سے بولتا تھا۔ اور کسی کو لمحہ بھر کے لئے بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ افرنجی الاصل عیسائی ہے۔ ٹامس لاول نے ایک اور مسیحی حسن ابن خلیل کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو امیر فیصل کی فوج میں شامل تھا۔ عرب اس کے متعلق صرف اتنا جانتے تھے۔ کہ وہ ایک عربی النسل مسلمان ہے۔ جس کی

آگے نہیں بڑھے۔ ڈز ریڈے۔ ہرلش اور تھیوڈر بنٹ نے حضرموت کی سیاحت کی۔ اور حمیر کے اکثر کتبات کو محفوظ کر لیا۔ لیکن حجاز میں بہت کم سیّاحوں کو جانے کا اتفاق ہوا۔ سر رچرڈ برٹن حج کے بہانہ سے مسلمان بن کر پہنچا۔ اور مدتوں حجاز کی سیاحت میں مصروف رہا۔ برکھارڈ نے بھی مسلمان بن کر حجاز کی سیاحت کی۔ اُس پر اسلام کی سادگی کا اثر اس قدر ہوا کہ وہ آخرکار مسلمان ہو گیا۔ حجاز کی سیاحت میں اوّلیت کا فخر ایک ہسپانی سیاح بیڈیلیچ کو حاصل ہے۔ جس نے علی بے عباس کے نام سے ۱۸۰۷ء میں مکہ معظمہ کی زیارت کی۔ لیڈی بلنٹ اور ہوبر کی سیاحت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن انہیں حجاز میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ سب سے آخر مس گرٹرڈ ڈبل اور مس روز ٹا فوربیس نے عرب کے ساحلی مقامات کی سیاحت کی۔ ایڈورڈ ہنری پامر کو اگرچہ ان سیّاحین اور مکتشفین میں چنداں اہمیت حاصل نہیں لیکن اُس نے اسلامی ممالک کا سفر محض سیاسی اغراض کے ماتحت کیا تھا۔ پامر عربی۔ فارسی اور اردو میں مہارت رکھتا تھا۔ فارسی اور اردو نظم و نثر پر بھی اُسے قدرت تھی۔ جب مصر میں عربی پاشا نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو پامر کو اُسکے خلاف پروپگنڈا کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔ اُس نے بھیس بدلکر مختلف قبائل میں عربی پاشا کے خلاف ایسی پرجوش تقریریں کیں کہ بغاوت کا پہلا سا زور و شور نہ رہا۔ آخر وہ حوالئی عرب میں ایک اعرابی کے ہاتھوں قتل ہو گیا +

عمر کا ایک حصہ مسیحی ممالک میں بسر ہو چکا ہے۔ لیکن حقیقتاً وہ مسیحی تھا۔ اور اگرچہ اُسے یہ جرأت تو نہ تھی کہ اپنے مذہبی عقاید علانیہ بیان کر دے۔ لیکن تحریک "دعوت عربیہ" کی تائید و حمایت اور اپنے سیاسی افکار کی تبلیغ سے اُسے کوئی نہیں روک سکتا تھا +

غرضکہ جنگ عمومی شروع ہوئی۔ تو شام کی ترکی فوج کے تمام عرب سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کیا جا چکا تھا۔ صحرائے عرب کے تمام قبائل ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر تیار بیٹھے تھے۔ حسین کے قاصد ہر قبیلہ کے شیخ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اور شام فلسطین اور حجاز کے عربوں کا کوئی فرد ایسا نہیں تھا۔ جو "ملحد ترکوں" کے خون سے ہاتھ رنگنے کو اپنی زندگی کا اوّلین فرض نہ سمجھتا ہو +

چوتھا باب

شریف حسین کی حیلہ سازیاں

جنگ عمومی کا آغاز آسٹریا اور سربیہ کے نزاع سے ہوا۔ لیکن تھوڑی دیر میں سارے یورپ کی فضا آگ کے شعلوں سے چھپ گئی اور سمندر کی نیلگوں سطح کو خون کی چادر نے ڈھانپ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ محاربہ عظیم کا باعث ایک سردی طالب علم کا جذبۂ عشقِ وطن تھا جس نے ولی عہد آسٹریا کو قتل کر کے دول فرنگ کے لئے پیکار آزمائی کا ایک عمدہ موقع مہیا کر دیا۔ لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ جنگ کی آگ عرصہ سے سلگ رہی تھی۔ اگر ولی عہد آسٹریا کے قتل کا واقعہ برروئے کار نہ آتا۔ جب بھی جنگ ناگزیر تھی مغربی استعمار اپنی اغراض پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ ایسے بہانے تلاش کر لیا کرتا ہے +

ترک ابتداء میں غیر جانبدار تھے۔ لیکن جنگ کے شروع ہوتے ہی انہوں نے سرحدوں کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ انگلستان میں ترکی عساکر کی نقل وحرکت کو شبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ جب ترک اس آگ اور خون کے مہیب کھیل میں شریک ہوئے۔ تو برطانی مدبر پکار اٹھے کہ موت کا گھڑیال بج چکا۔ ترکوں نے جنگ

میں شریک ہو کر اپنی موت کے محضر پر دستخط کر دیئے۔ ہندوستان کے مسلمان جنہوں نے برطانیہ سے عہد وفا استوار کر رکھا تھا۔ یہ چاہتے تھے۔ کہ ترک اوّل تو جنگ میں شریک ہی نہ ہوں۔ اور اگر شریک ہوں تو انگریزوں کا ساتھ دیں لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاست فہمی کی حقیقت کس کو معلوم نہیں؟ ترکوں نے جو کچھ کیا موقع اور ضرورت دیکھ کر کیا۔ وہ مجبور تھے کہ جنگ میں شریک ہوں۔ اور جرمنی کے حلیف کی حیثیت سے شریک ہوں +

انقلابی تحریک ہم بیان کر چکے ہیں کہ جنگ سے پہلے ہی شام، عراق اور فلسطین میں ایک وسیع انقلابی تحریک نشوونما پا رہی تھی۔ اگرچہ شریف حسین اور شام و فلسطین کے مصلحین کی حیلہ سازیوں کے تفصیلی تذکرہ کا یہ موقع نہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر بعض اہم امور بیان کر دیئے جائیں تاکہ دنیا پر کم از کم یہ تو واضح ہو جائے کہ بغاوت عرب کے سلسلہ میں ترکان احرار پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں اُن میں صداقت کس قدر ہے +

شام اور فلسطین میں جو لوگ ترکوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ اُن میں امیر عمر الجزائری۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن۔ فود علی۔ امیر عارف الشہابی۔ شفیع بے المؤید۔ شکری بے عبدالوہاب۔ توفیق بے۔ عبدالحمید الزہراوی۔ عبدالغنی عریسی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ عبدالکریم الخلیلی ان کا سرگروہ تھا۔ جمال پاشا ۱۹۱۴ء کے اواخر میں شام و فلسطین کے عامل مقرر ہو کر دمشق پہنچے۔ وہ ایک نکتہ رس اور بیدار مغز بزرگ تھے۔ ان لوگوں کے تیور دیکھ کر انہوں نے فوراً اُن کے عزائم پر اطلاع حاصل کر لی۔ وہ اگر چاہتے تو تشدد سے اس فتنہ کو دبا سکتے تھے لیکن جمال پاشا اور دوسرے

نوجوان ترک وطنی تحریکوں کے حامی تھے۔ اور اُن کے نزدیک ہر قوم کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے لئے کامل خود مختار حکومت کا مطالبہ کرے۔ اس لئے اُنہوں نے اِن مدعیان وطنیّت کا حوصلہ بڑھایا۔ اور اُن کے جلسوں اور مظاہروں میں خود شریک[1] ہوتے رہے۔ لیکن ان بدبختوں نے پاشائے موصوف کے احسانات کی قدر نہ کی۔ عبدالکریم الجلیلی بظاہر تو یہ کہتا تھا کہ شام و فلسطین کے شجاع عرب ایسی نازک ساعت میں خلیفۃ المسلمین کے وفادار رہیں گے۔ اور ایک خاص مجلس میں اپنے رفقا سمیت حلف وفاداری اُٹھا چکا تھا لیکن دراصل ترکوں کے خلاف برابر سازشیں ہو رہی تھیں اور ارباب شر و فساد سیدون اور طائر کے اضلاع میں بغاوت برپا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جون ۱۹۱۵ء میں جمال پاشا کو اطلاع ملی کہ شام میں بغاوت کا فتنہ سر اُبھارا چاہتا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اصلاح کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ تو عبدالکریم اور اُس کے رفقا کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے ✝

سازش کا انکشاف اب عجیب عجیب راز کھلے۔ کئی دستاویزیں پیش ہوئیں جن سے معلوم ہوا کہ بغاوت کی ساری پخت و پز ہو چکی تھی۔ ایک اور اطلاع یہ بھی ملی کہ شام کے عیسائی اس ملک میں فرانسیسی حکومت قایم کرنا چاہتے ہیں۔ عرب یہ سُن کر بے حد برافروختہ ہوئے اور شام و فلسطین کے تمام عیسائیوں کو تہ تیغ کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن جمال پاشا کے حسن تدبیر نے ملک کو خونریزی سے بچا لیا ✝

[1] اگر عرب اس وقت ترکی کا ساتھ دیتے تو کیا عجب تھا کہ وطن پرست ترک شام و فلسطین، عراق اور حجاز کی عنان اختیار عربوں کے سپرد کر دیتے ✝

عبد الکریم الخلیلی کی گرفتاری نے سازشیوں کی کمر توڑ دی۔ جماعت مصلحین کے ارکان جہاں جہاں موجود تھے۔ گرفتار کر لئے گئے لیکن اُس وقت تک کوئی ایسی دستاویز قبضہ میں نہیں آئی تھی جس سے شریف حسین کے ساتھ سازشیوں کا تعلق ثابت ہو سکتا۔ جمال پاشا تو اس قضیہ میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اور اُدھر شریف حسین مصر کے ہائی کمشنر سر ہنری میکموہن سے گفت وشنید میں مصروف تھا۔ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء تک یہ گفت وشنید مکمل ہو گئی +

فیصل قسطنطنیہ میں اگر شام کے باغیوں کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہوتی تو حسین شام میں بغاوت برپا ہوتے ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ اُدھر اتحادیوں کی فوجیں درہ دانیال سے پسپا ہو رہی تھیں۔ اور اُدھر سازش ناکام ہو چکی تھی۔ اس لئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس تاخیر وتعویق کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ شریف حسین ترکوں سے روپیہ اور سامانِ حرب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ فیصل کو قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ اُس نے خلیفۃ المسلمین کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنی اور اپنے باپ کی وفاداری کا یقین دلایا۔ اور کہا کہ عرب کا بچّہ بچّہ خلافت اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر جان نثار کر دینے پر آمادہ ہے۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ اور فیصل نے تقریباً ساٹھ ہزار پونڈ نقد اور بہت سا ذخیرہ حرب حاصل کر لیا +

جن دنوں عبد الکریم الخلیلی۔ رضا بے وغیرہ کو سزائے موت دی گئی فیصل دمشق میں موجود تھا۔ وہ خائف تھا کہ کہیں اُن میں سے کوئی راز فاش نہ کر دے لیکن خیر گذری کہ کسی نے زبان تک نہ ہلائی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جب ایک سازشی کو سزائے موت دی جا رہی تھی۔ فیصل سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اُس نے جمال پاشا

کی جانب رُخ کرکے کہا "آپ کو اس ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا" اس کی اس غیر معمولی جسارت نے پاشائے موصوف کو برافروختہ کر دیا۔ اور اگر فیصل کے بعض دوست جو استنبول میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے۔ اس کی جانب سے معذرت کرکے معاملہ رفع دفع نہ کر دیتے۔ تو شاید اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو ان سازشیوں کا ہو چکا تھا۔ لیکن اس روایت کی صحت محل نظر ہے جمال پاشا نے اپنے تذکرے[1] میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

انور و جمال کے قتل کی سازش فروری ۱۹۱۶ء میں انور پاشا اور جمال پاشا مدینہ پہنچے فیصل اُن کے ہمراہ تھا۔ اس سفر کی غرض وغایت یہ تھی کہ سوئیز کی مہم میں شرکت کے لئے جو فوج جمع کی گئی تھی۔ اُس کا معائنہ کریں۔ یہاں پانچ ہزار نبرد آزما جمع تھے انور پاشا اور جمال پاشا نے اس فوج کا معائنہ کیا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ تلواریں جن کی تابش دیکھ دیکھ کر ہم خوش ہو رہے ہیں۔ ترکوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائیں گی؟ شریف حسین نے انکے اعزاز میں ایک ضیافت دی اور اپنی کامل وفاداری کا یقین دلایا۔ اُدھر عرب کے بعض شیوخ میں یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ انور و جمال کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ اُسی رات کو چند اکابر فیصل کے پاس یہ تجویز لے کر پہنچے۔ فیصل نے جواب دیا تجویز تو معقول ہے۔ لیکن عرب جسے اپنی مہمان نوازی پر فخر ہے۔ دنیا کو کیا منہ دکھائے گا؟

[1] جمال پاشا مرحوم کا تذکرہ جو دراصل مرحوم کا روزنامچہ ہے۔ پہلے ترکی زبان میں شائع ہوا۔ علی احمد شکری نے اسے عربی میں منتقل کیا۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہچنسن کمپنی نے شائع کیا ہے۔

شریف حسین کا پیغام | انور پاشا واپس قسطنطنیہ پہنچے تو شریف حسین کا ایک تار موصول ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ تبوک سے مکہ تک میری حکومت تسلیم کر لی جائے۔ اور جماعت مصلحین کے جو ارکان قید ہیں۔ انہیں فوراً رہا کر دیا جائے۔ اس تار نے شریف حسین کے عزائم کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ لیکن فیصل نے گڑگڑا کر کہا کہ اس بارہ میں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس تار کا جواب یہ دیا گیا کہ خود مختاری کے مطالبہ کا یہ وقت نہیں۔ فیصل نے مئی میں مدینہ مراجعت کی۔ جمال پاشا اگر چاہتے تو اُسے نہ جانے دیتے۔ لیکن جب اُس نے اجازت طلب کی تو اُنہوں نے فوراً درخواست منظور کر لی لیکن ساتھ ہی اپنے ایک افسر فونٹا دے سے کہہ دیا کہ فیصل جاتے ہی گل کھلائیگا۔ اور عرب میں بغاوت برپا ہو جانے گی۔ آخر یہی ہوا اور ۱۰ر جون کو مدینہ کے شمال میں ریلوے لائن پر حملہ کر دیا گیا۔

غرض کہ یہ ہے شریف حسین اور اُس کے رفقا کی حیلہ سازیوں کی مختصر داستان۔ جسے مغربی مصنفوں کی رنگ آمیزیوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

بغاوت کا اعلان | شریف حسین نے ۲۷ر جون ۱۹۱۶ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ یہ اعلان ترکوں کے گناہوں کی ایک طویل فہرست پر مشتمل تھا۔ کہیں ترکوں کے مفروضہ الحاد کی داستان تھی۔ کہیں استخفاف شریعت کا افسانہ تھا۔ کہیں انجمن اتحاد و ترقی کے ارکان کی بے اعتدالیوں کا ذکر تھا۔ اور کہیں شام اور فلسطین کے اُن اشرار کا ماتم تھا جنہیں جمال پاشا نے سزائے موت دی تھی۔ اس پیر زمیں گیر نے اپنے اعلان میں دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ کہ ترکوں کی بدعنوانیاں حد سے بڑھ گئی ہیں اور اب اصلاح کے تمام دروازے بند ہو چکے

ہیں +

فیصل کا خیال تھا کہ وہ چند گھنٹوں میں مدینہ پر قبضہ کر لے گا۔ لیکن یہ اُمید بر نہ آئی۔ اُس نے مدینہ پر نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لیکن عین معرکہ میں ایک قبیلہ کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُس کا بھاگنا تھا کہ ساری فوج بھاگ نکلی۔ اور فیصل کو اپنے کیمپ میں جو مدینہ سے مغرب کی جانب تھا پناہ لینی پڑی +

مکہ معظمہ اور جدّہ پر حملے اُدھر مکہ معظمہ میں شریف حسین نے ترکوں پر حملہ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ترک نہایت شجاعت سے لڑے اور سب کے سب کٹ مرے حیرت ہے کہ شریف حسین نے باایں ہمہ ادّعائے اسلام پرستی۔ اس معرکہ میں بے حد قساوت قلبی کا ثبوت دیا۔ ترکوں کا خون نہایت بے دردی سے بہایا گیا اور ترک قلعدار کی نعش کو اس دیار متقدّس کے گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔ مورخ کا قلم ہمیشہ اُن مظالم کا ماتم کرتا رہیگا۔ جو ترکوں پر اس بلد آمن میں توڑے گئے! اور اسلام کا مجدد شرف ہمیشہ اس واقعہ پر نوحہ گزر رہے گا۔ کہ حرم پاک میں جہاں ہر ذی حیات کو امان دی جاتی ہے فرزندانِ توحید کو امان نہیں دی گئی + ع

پائی نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قربِ حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

جدّہ پر عربوں نے پانچ دن کے مختصر عرصہ میں قبضہ کر لیا۔ لیکن اس فتح مندی میں حسین کے مسیحی حلیف برطانیہ کی اعانت بھی شریک تھی۔ کپتان بائل کی سر کردگی میں پانچ انگریزی جہاز بھیج دیئے گئے تھے۔ عربوں نے خشکی سے حملہ کیا۔

انگریزی جہازوں نے سمندر سے گولہ باری کی۔ تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے کسی مسیحی سلطنت کو اس طرح عرب کے امن و سکون میں دخل انداز ہونے کی جرأت نہیں ہوئی تھی +

مدینہ سے پسپائی | فیصل مدینہ کے باہر بیٹھا خائر حرب کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کئی قاصد رابغ[1] بھیجے۔ لیکن انگریزوں نے صرف کچھ زنگ خوردہ جاپانی بندوقیں بھیج دیں۔ انگریزوں نے انہیں دنوں ینبوع کے فوجی استحکامات پر قبضہ کر لیا۔ فیصل انگریز کرنیل سے جو اس دستہ کا افسر تھا، ملا۔ اس نے کچھ توپیں دے کر فیصل کی اشک شوئی کر دی +

فیصل نے پھر مدینہ پر حملہ کیا۔ لیکن ترکوں کے سامنے ایک پیش نہ گئی۔ وہ بڑی بڑی امیدیں لے کر آگے بڑھتا تھا اور ترکوں کی شجاعت کی چٹان سے ٹکرا کر عجز و درماندگی کے احساس کے ساتھ پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ فیصل دل شکستہ ہو گیا۔ قبائل آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ روپیہ اور سامان حرب کی کمی تھی۔ اور اس عرصہ میں اسے شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ شریف حسین مکہ میں تھا۔ عبداللہ بھی اس کے پاس تھا۔ اور علی اور زید رابغ میں تھے۔ آخر فیصل بھی جولائی مدینہ سے پسپا ہو کر ساحل کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اہل قبائل کا ایک دستہ ترکوں کی چوکیوں پر حملے کرتا رہا۔ حملہ و دفاع کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ یکا یک صحرائے عرب کی غیر محدود وسعت سے ایک پراسرار اجنبی نمودار ہوا جس نے آتے ہی جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ یہ شخص لارنس تھا جس کے کارناموں کا تفصیلی تذکرہ ہمارا مقصود اصلی ہے +

[1] رابغ بحیرۂ قلزم کے ساحل پر ایک بندرگاہ ہے +

پانچواں باب

ٹامس ایڈورڈ لارنس

ٹامس ایڈورڈ لارنس کی ولادت ۱۸۸۸ء میں بمقام ٹریمیڈوگ ہوئی جو شمالی ویلز میں واقع ہے۔ اُس کا باپ ٹامس لارنس آئرش نسل سے تھا۔ اور اُس کی ماں جو کچھ عرصہ تک دین مسیحی کی تبلیغ کرتی رہی ہے۔ ایک انگریز خاتون + لارنس کے سوانح نگار ٹامس لاول نے اُس کے نام و نسب کے متعلق بعض عجیب و غریب غلط بیانیاں کی ہیں مثلاً وہ لکھتا ہے کہ سر جان لارنس اور سر ہنری لارنس جو غدر ۱۸۵۷ء کے سلسلہ میں شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ لارنس کے اجداد میں تھے لیکن یہ قطعاً غلط ہے + خود لارنس اور اُس کے دوسرے سوانح نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لارنس کا باپ ایک معمولی شخص تھا۔ جسے کوئی خاص عزت یا وجاہت حاصل نہیں تھی +

تعلیم لارنس کی تعلیم مختلف مکاتب میں ہوئی۔ اُس نے اپنی ابتدائی عمر کا کچھ عرصہ نیو سکاٹلینڈ میں بسر کیا کچھ فرانس اور ہمپ شائر میں + تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد وہ آکسفورڈ کے جیزز کالج میں داخل ہو گیا۔ انگلستان کا ایک اہل قلم رابرٹ گریوز جس نے اُس کے سوانح حیات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں لکھتا ہے

کہ لارنس کو مبدء فیاض نے علمی ذوق عطا کرنے میں نہایت فیاضی سے کام لیا تھا وہ تعلیم سے غیر معمولی شغف وانہماک رکھتا تھا۔ کالج میں داخل ہونے سے پیشتر ہی اُس نے عربوں اور ترکوں کے متعلق کافی ذخیرۂ معلومات فراہم کر لیا تھا۔ اور اکثر اوقات اُس کے قلب میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اسے کاش عربوں کو ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا!

سیاحت — لارنس کو اپنے امتحان کے سلسلہ میں ایک مقالہ لکھنا تھا۔ مقالہ کا موضوع تھا "قرون وسطیٰ کے فرنگستانی فن تعمیر پر حروب صلیبیہ کے اثرات" انگلستان اور فرانس کی وہ تمام عمارتیں جو قرون وسطیٰ کی یادگار ہیں۔ اُس کی نظر سے گزر چکی تھیں ۱۹۰۹ء میں اُس نے صلیبی نبرد آزماؤں کے آثار باقیہ کا معائنہ کرنے کی غرض سے شام اور فلسطین کا سفر اختیار کیا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے ٹوٹی پھوٹی عربی سیکھ لی تھی۔ اُس کی ساری کائنات ایک کیمرے پر مشتمل تھی۔ اُس کی حیرت انگیز جرأت اور بے باکی کا ثبوت اُسی وقت سے ملنا شروع ہو گیا تھا جبکہ اُس نے اس کم مائگی اور بے سروسامانی کے عالم میں فلسطین اور تیسریا کا پاپیادہ سفر کیا۔ وہ حیفہ سے ہوتا ہوا کوہستان طارس تک چلا گیا۔ وہ قریہ قریہ اور شہر شہر گھوم کر حروب صلیبیہ کے زمانہ کے آثار کا معائنہ کرتا تھا۔ اور بادیہ نشین عربوں کی مہمان نوازی کی بدولت اُسے طعام و قیام پر کچھ صرف بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ شام میں ایک ترکمان نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اور اُسے مجروح کر کے اُس کی جیب سے گھڑی نکال کر لے گیا۔ اس حادثہ کے بعد اُس نے عربوں کی ایک قریبی بستی میں رات گزاری۔ یہ لوگ اس قدر نیک اور مہمان نواز تھے کہ انہوں نے چور کو مالِ مسروقہ سمیت لارنس کے سپرد کر دیا۔

یہیں پہلی مرتبہ لارنس کو صحرائے عرب کی عظمت کا احساس ہوا۔ وہ ایک پرانے قلعہ کے کھنڈروں کا معائنہ کر رہا تھا کہ اُس کے عرب بدرقہ نے اُسے یاسمین اور بنفشہ کے پھول دکھائے جن کی نکہت سے روح بالیدہ ہوتی تھی۔ اور پھر غیر محدود ریگ زار پر نظر دوڑا کر کہا "صحرا کی ہوا میں جو تازگی اور نکہت ہے۔ وہ یاسمین اور بنفشہ میں کہاں؟"

لارنس چار ماہ کی مختصر سیاحت کے بعد گھر لوٹا تو شام کی ایک اور دعوت کو اپنا منتظر پایا۔ یعنی میگڈلین کالج نے اُسے آثار قدیمہ کی تحقیق و تدقیق کی غرض سے چار سال کے لئے وظیفہ دینا منظور کر لیا۔ اور وہ پھر فرات کی شاداب وادی میں پہنچ گیا۔ جہاں ڈاکٹر ہوگرتھ کی نگرانی میں ایک قدیم شہر کے آثار کی کھدائی ہو رہی تھی۔ یہ کام اُس کے ذوق و وجدان سے خاص مناسبت رکھتا تھا۔ اس لئے وہ سنہ ۱۹۱۰ء سے آغاز جنگ عمومی تک شام میں رہا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر ہوگرتھ کی جگہ ایک اور انگریز ماہر آثار قدیمہ یونارڈ وولی نام نے لے لی۔

بغداد ریلوے | اس زمانہ میں قسطنطنیہ سے بغداد تک ریلوے کی تعمیر ہو رہی تھی۔ جرمن انجنیر دریائے فرات پر ایک پل بنا رہے تھے۔ لارنس کے پردۂ بصیرت پر مستقبل کے واقعات کا نقشہ کھنچ چکا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ مشرق میں جرمنوں کی مداخلت خالی از علت نہیں۔ چنانچہ اُس نے لارڈ کچنر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اسکندرونہ[۵۱] کو جرمنوں کے قبضہ میں کیوں دیدیا گیا ہے؟ ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ڈسرئیلی[۵۲] نے

---

[۵۱] معاہدہ برلن کی رُو سے اسکندرونہ جرمنوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔

[۵۲] ڈسرئیلی انگلستان کا مشہور مدبر عرصہ تک وزارت عظمٰے کے عہدہ پر سرفراز رہا (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸)

ایک مرتبہ کہا تھا کہ "اس بندرگاہ پر امن عالم کا دارومدار ہے"۔

لارڈ کچنر نے جواب دیا کہ "میں تو بار بار توجہ دلا چکا ہوں۔ لیکن صبغۂ خارجہ کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ دو سال میں ایک عالمگیر جنگ چھڑنے والی ہے۔ میں یا تم اسے نہیں روک سکتے۔ جاؤ اپنا کام کرو"۔

جرمنوں سے لارنس کو نفرت تھی۔ اس کی زندگی کے اس عہد میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے اس کو تقویت ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ جرمنوں کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اور بعض مرتبہ تو آپس میں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جرمن انجینروں کے غیر دانشمندانہ طریقِ عمل نے خود ان کے عرب اور کرد مزدوروں کے اندر اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ کئی مرتبہ ہنگامہ و فساد تک نوبت جا پہنچی۔ لارنس ایسے مواقع پر ہمیشہ مزدوروں کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ اور اس کی یہ مداخلت جہاں اسے عربوں اور کردوں میں ہر دلعزیز بنا رہی تھی۔ وہاں جرمنوں کے لئے اس کا وجود مسلسل اور پیہم پریشانیوں کا باعث بنا ہوا تھا۔

کسی اجنبی قوم میں قبول و رسوخ حاصل کرنے کے لئے اس کے قومی خصائص آداب معاشرت اور روایات کا مطالعہ ضروری ہے۔ لارنس نے یہاں رہکر عربوں کی زندگی کے ہر پہلو کو فکر و غور کی روشنی میں دیکھا۔ اور اس پر جہاں یہ راز کھل گیا، کہ عرب ایک سیدھی سادی قوم ہے۔ جو ہر شخص پر اعتماد کر لیتی ہے۔ جسے ان کی روایات سے ہمدردی ہو۔ وہاں اسے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اسکی اپنی

(حاشیہ صفحہ ۲۹) وہ عام طور پر لارڈ بیکنسفیلڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اور انگریزی زبان کے بہترین افسانہ نگاروں میں سمجھا جاتا ہے۔ انگریزوں کی گردن ہمیشہ اس کے احسان سے خم رہیگی کہ اس کے تدبر کی بدولت نہر سویز برطانی حیطۂ اقتدار میں آئی ؛

فطرت میں بعض ایسی قوتیں پوشیدہ ہیں جنہیں اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔ تو بہت بڑے کارنامے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ عربوں میں جو اُس نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے:۔

مس گرٹرڈ بل | اس وقت جتنے انگریز کھدائی کے کام پر مامور تھے۔ ان میں صرف لارنس ہی ایسا تھا جو ابھی ازدواج کی زنجیروں میں اسیر نہیں ہوا تھا۔ اتفاق یہ کہ اُن دنوں مشہور سیّاح عورت مس گرٹرو ڈبل جو صحرائے عرب میں عرصہ تک رہی ہے۔ اس گاؤں میں وارد ہوئی۔ اہلِ قریہ نے مس بل کے وُرود سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ لارنس کی منسوبہ ہے۔ اور اُس سے شادی کے لئے آئی ہے۔ چنانچہ سارے گاؤں میں خوشیاں منائی گئیں۔ مس بل کا قیام نہایت مختصر تھا۔ وہ جب شام کو رخصت ہونے لگی۔ تو گاؤں والوں نے یہ سمجھا۔ کہ مس بل نے لارنس کو پسند نہیں کیا۔ اور وہ اس کی رفیقۂ حیات بننے پر آمادہ نہیں۔ چنانچہ اس گاؤں کی ساری عرب آبادی اس غرض سے جمع ہوگئی کہ اس "افرنجیہ" کو نہ جانے دیا جائے۔ اگر لارنس ملطائفت الحیل انہیں روک نہ دیتا۔ اور مس بل کی رخصت کی کوئی اور تاویل نہ کردی جاتی۔ تو وہ یقیناً اُسے گاؤں سے باہر قدم نہ رکھنے دیتے +

آخر صحرا کی اس پُرسکون زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ جنگ کی آگ اپنی تمام شعلہ سامانیوں کے ساتھ بھڑک اُٹھی۔ اور لارنس نے محسوس کیا۔ کہ اب علمی تحقیق و تدقیق کے بجائے اُسے جنگ کے رعد و برق میں اپنے ذوق کی پذیرائی کا سامان تلاش کرنا چاہیئے ÷

لارنس ایک جاسوس کی حیثیت میں

لارنس نے جب فوج میں بھرتی ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ تو طبی مجلس ممتحنہ کے اعضاء ارکان نے اُس کا قدوقامت اور ڈیل ڈول دیکھ کر جواب دیا۔ "میاں صاحبزادے! تم ابھی آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے قابل نہیں۔ گھر چلے جاؤ اور دوسری جنگ کا انتظار کرو"

اُس نے تین مختلف مقامات پر فوج میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ اور ہر جگہ تقریباً انہیں الفاظ سے اُس کے والہانہ اشتیاق کی پذیرائی کی گئی

اگر ان لوگوں سے اُس وقت کہا جاتا کہ آج سے چار سال بعد یہی لڑکا دمشق میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوگا۔ اور ساری مسیحی دنیا اُس کے کارناموں کے ذکر سے گونج اُٹھیگی۔ تو وہ یقیناً اسے مجذوب کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہ دیتے

لارنس فوج میں بھرتی تو نہ ہو سکا۔ لیکن تھوڑے دنوں میں ہی اُسے برطانیہ کے صیغۂ خفیہ میں لے لیا گیا۔ صحرائے عرب کے متعلق اُس کا علم وسیع تھا۔ وہ

عربوں کے رسم و رواج۔ اور فطری رجحان کا مطالعہ بامعان نظر کر چکا تھا۔ اور اس
بازار میں اسی متاع کی قدر تھی۔ اس کا وجود صیغۂ خفیہ کے لئے مفید ثابت ہوا۔ اور وہ
علم جو اس نے عربوں اور ترکوں کی مہمان نوازی کی بدولت حاصل کیا تھا عربوں
اور ترکوں کو تباہ کرنے کے کام آیا۔

پُراسرار اشخاص

برطانیہ کے صیغۂ خفیہ کے اندرونی حالات کس کو معلوم ہیں؟ ہماری اطلاعات
کا ماخذ وہی کتابیں ہیں جن کے نقوش انگریزی مصنفین کے قلم کے رہین منت
ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں صیغۂ خفیہ کے تمام کارنامے کہاں؟ بہتیرے واقعات
ایسے ہیں جو دنیا کو نہیں بتائے گئے۔ اور شاید کبھی نہیں بتائے جائیں گے لیکن
جو کچھ بتایا گیا ہے۔ وہ بھی غنیمت ہے۔ کم از کم ہم لارنس کو شورتویز میں سفر کرتے
تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کے مقاصد اور سفر کی تمام تفاصیل
معلوم نہیں۔ پھر یہی شخص ہمیں مصر کے مغربی علاقہ میں جہاں شیخ سنوسی اور ان کے
متبعین آباد ہیں عربی لباس پہنے دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کے عزائم ہماری نگاہ
سے پوشیدہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ان انگریزوں کا سراغ لگانے گیا تھا جنہیں عربوں
نے گرفتار کر کے اسیر زندان کر رکھا تھا۔ اس کے بعد اسے ہم یونان کے پایۂ تخت
ایتھنز میں دیکھتے ہیں۔ وہ وہاں کیا کرنے گیا تھا؟ اس سوال کے جواب میں
تمام مغربی تذکرہ نگاروں کا قلم خاموش ہے۔

زمانۂ جنگ میں جن غدار عربوں نے ترکوں کے خلاف فلسطین۔ عراق اور
شام میں سازشیں کیں۔ ترکی افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں اور فرانسیسیوں
کو دیتے رہے۔ ان میں بڑے بڑے صاحب جبہ و عمامہ شیوخ تھے۔ ان لوگوں کو

لارنس کے توسط سے ہدایات ملتی تھیں۔ اُسی کی معرفت روپیہ دیا جاتا تھا۔ غرض کہ لارنس اپنی استعدادِ خاص کی بدولت تھوڑے دنوں میں ہی اُن عرب جاسوسوں کا سردار بن گیا جو حجازِ مقدس سے ایشیائے کوچک تک پھیلے ہوئے تھے +

اُنہیں دنوں لارنس کو مصر کی خفیہ سیاسی مجالس کا سراغ لگانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ لارنس نے حصولِ مقصد کے لئے کیا طریقے اختیار کئے لیکن ہمیں اس قدر بتایا گیا ہے۔ کہ اس مقصد میں بھی اُسے کامیابی ہوئی۔ دنیا میں غداروں کی کمی نہیں۔ ہر مجلس۔ ہر ادارہ۔ ہر حکومت میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو چند روپوں کے عوض اپنی قوم و وطن کے بہترین مقاصد کو فروخت کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ ان مجالس میں بھی ایسے لوگ تھے۔ لارنس اُن سے ملا۔ اور معاملہ طے ہو گیا۔ ضمیر کا نرخ چکایا گیا۔ غداری کی قیمت ادا کر دی گئی۔ اور لارنس کو ان مجالس کے تمام ارکان کے نام معلوم ہو گئے +

یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ تو لارڈ کچنر کی بارگاہ میں لارنس کا اعتبار بھی فزوں ہوا اور اُسے خاص احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا +

میسوپوٹیمیا میں | یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ جنرل ٹاؤنشنڈ قط العمارہ میں محصور ہو چکا تھا۔ اور یہ اندیشہ تھا کہ ترک قط العمارہ پر قبضہ کر لیں گے۔ انگریزوں نے چاہا کہ قط العمارہ کی ترکی فوج کے سالار جنرل نوری پاشا کو رشوت دے کر محصورین کو نجات دلائی جائے اس مقصد کے لئے موزوں و مناسب شخص کی تلاش ہونے لگی تو نگاہِ انتخاب لارنس پر پڑی۔ چنانچہ اپریل ۱۹۱۶ء میں اُسے میسوپوٹیمیا بھیج دیا گیا +

لارنس دو اور افسروں کے ساتھ سفید جھنڈے اُڑاتا نوری پاشا

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مصر میں وہ نہایت معمولی قیمت پر عربوں کے ضمیر خرید چکا تھا۔ اُسے اپنی ساحرانہ قوتوں پر پورا اعتماد تھا۔ لیکن اُس کے سارے ترغیبی حربے بیکار ثابت ہوئے + انگریز سمجھے تھے کہ جنرل نوری پاشا روپیہ لے کر قط کے محاصرہ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ نوری پاشا نے اس کا وہی جواب دیا۔ جو ایک بہادر ترک دے سکتا ہے یعنی لارنس کی پیشکش بکمال حقارت مسترد کر دی گئی +

میسوپوٹیمیا کی برطانی فوج کا تعلق براہ راست حکومت ہند سے تھا۔ اور اگرچہ لارڈ کچنر کو سپہ سالار اعظم ہونے کی حیثیت سے اس فوج پر اختیار حاصل تھا۔ لیکن بعض معاملات میں اُسے حکومت ہند کی خواہشات کو ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔ لارڈ کچنر کی خواہش تھی کہ میسوپوٹیمیا کی خفیہ مجالس کے توسط سے اس ملک میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی جائے۔ تاکہ برطانیہ کو جنگ کے دیوتا کی قربان گاہ پر جانوں کی نذر نہ چڑھانا پڑے۔ اور اُسے یقین تھا۔ کہ اگر اس سرزمین کے تمام قبائل اُٹھ کھڑے ہوں۔ تو جانی اور مالی نقصان کے بغیر انگریزوں کا علم اقتدار بغداد پر لہرا سکتا ہے لیکن حکومت ہند کو اندیشہ تھا۔ کہ اگر عربوں کی خفیہ مجالس سے استمداد کی گئی۔ تو ممکن ہے کہ یہ ملک انگریزوں کی حمایت و حفاظت کی نعمت سے محروم ہو جائے یعنی وطن پرست عرب اس سرزمین میں آزاد اور مطلق العنان سلطنت قائم کر لیں چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر ہندوستان سے ایک فوج بھیجی گئی۔ لیکن اس فوج نے متواتر شکستیں کھائیں اور بالآخر وہ قط العمارہ میں محصور ہو گئی +

لارنس جرنیل نوری پاشا سے ملاقات کر کے لوٹا۔ تو اُس نے چاہا کہ دریائے فرات کی وادی میں جو قبائل آباد ہیں اُنہیں ترکوں کے خلاف برانگیختہ کیا جائے۔

تاکہ قطالعارہ کے محاصرے کا تعلق ترک فوج سے منقطع ہو جائے۔ اور اُسے سامان حرب نہ پہنچ سکے۔ لیکن حکومت ہند کی حکمت عملی اس کے خلاف تھی۔ اس لئے لارنس کو مجبوراً قاہرہ پلٹ آنا پڑا۔ وہ قاہرہ پہنچا ہی تھا۔ اطلاع ملی کہ قطہ پر ترکوں نے قبضہ کر لیا۔

یہ وہ زمانہ ہے۔ جبکہ شریف حسین ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر چکا تھا۔ ترک ہر جگہ اتحادی فوجوں کو پے در پے شکستیں دے چکے تھے۔ درہ دانیال سے انگریزی فوجیں نہایت شاندار طریق پر پسپا ہو چکی تھیں۔ قطالعارہ کی انگریزی فوج بالکل بیکار کر دی جا چکی تھی۔ شریف حسین کو خطرہ تھا۔ کہ بغاوت کامیاب نہیں ہوگی۔ اور اُس کا وہی حشر ہوگا۔ جو غداروں کا ہوا کرتا ہے۔ اُس نے بار بار انگریزوں سے مدد کی التجا کی لیکن مصر کی برطانی افواج میں اتنی سکت نہیں تھی۔ کہ شریف حسین کو بھی مدد دے سکیں۔

لارنس عرب کی بغاوت میں حصہ لینے کے لئے بیتاب تھا۔ لیکن اُسے اجازت نہیں ملی۔ چار و ناچار اُس نے درخواست کی۔ کہ مجھے دس دن کی رخصت دی جائے۔ کیونکہ میں بحیرۂ قلزم کے ساحل پر امن و سکون کی ساعتیں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست منظور کر لی گئی۔ اتفاق یہ کہ سٹورس نام ایک افسر جس کا تعلق صیغہ خارجہ سے تھا شریف حسین کے پاس کسی اہم غرض سے جا رہا تھا۔ لارنس[1] اُس کے ہمراہ چل پڑا۔

---

[1] لارنس اور لارنس کے تمام سوانح نگار یہی لکھتے ہیں کہ محکمہ جنگ نے اسے بغاوت عرب میں حصہ لینے کے لئے نہیں بھیجا۔ وہ از خود دس دن کی رخصت لیکر سٹورس کے ہمراہ عربستان میں چلا آیا۔

روانگی سے تھوڑی دیر قبل لارنس کو معلوم ہوا۔ کہ اُسے جاسوسی کے محکمہ سے "صیغہ بغاوت عرب" میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک خاص صیغہ تھا جس کی عنان انتظام لارنس کے پرانے دوستوں لائیڈ اور ہوگرتھ وغیرہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہیں سے لارنس کی اُن سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ جن کی بدولت اُس نے غیر فانی شہرت حاصل کر لی ہے۔

ساتواں باب

لارنس ایک شامی عرب کے لباس میں

لارنس اکتوبر ۱۹۱۶ء میں جدہ پہنچا۔ عبداللہ جو آج کل شرق اردن کا فرمانروا ہے۔ جدہ کی محافظ فوج کا سالار تھا۔ اس نے لارنس کا استقبال کرکے اسے جدہ کے ایوانِ حکومت میں لا اتارا۔ طعام سے فراغت حاصل ہوئی تو شکوؤں کے دفتر کھل گئے۔ عبداللہ نے اتحادیوں کی بے اعتنائی اور اپنی بیچارگیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ طائف پر عربوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ شریف حسین مکہ معظمہ میں تھا۔ فیصل مدینہ سے پسپا ہو کر وادیٔ صفرہ میں پناہ گزین تھا۔ اور شریف کا بڑا بیٹا علی رابغ میں ایک مختصر جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن بغاوت کا پہلا سا زور نہیں رہا تھا۔ قبائل بددل ہو رہے تھے۔ ترک آگے بڑھ کر رابغ پر نشانِ فتح گاڑ دینا چاہتے تھے۔

فیصل سے ملاقات لارنس نے یہ داستان اپنی کتاب "ریوولٹ ان دی ڈزرٹ" میں نہایت شرح و بسط سے لکھی ہے۔ اس وقت وہ ایک ایسے شخص کی جستجو میں تھا جو عرب کے تمام قبائل کو متحد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس نے عبداللہ کی خصائص سیرت کا مطالعہ بامعان نظر کیا۔ لیکن اسے شرق اردن کے موجودہ فرمانروا میں یہ صلاحیت نظر نہیں آئی۔ دوسرے

دان وہ رابغ پہنچا۔ علی اور زید سے ملا۔ وہ بھی اس استعداد سے محروم تھے۔ آخر اُس نے وادیٔ صفرہ میں جاکر فیصل سے ملاقات کرنے کی اجازت طلب کی۔ علی نے اُسے اجازت دے دی۔ لارنس ایک طویل سفر کے بعد وادیٔ صفرہ میں پہنچا۔ اُس نے اوّلین نظر میں معلوم کرلیا کہ اُسے جس چیز کی جستجو تھی۔ مل گئی یعنی اُسے یقین ہوگیا۔ کہ فیصل بغاوت کو کامیاب بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لارنس نے یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"اندرونی کمرے کے اُس سرے پر ایک سیاہ دروازہ میں ایک شخص سفید لباس پہنے ہوئے میرا انتظار کررہا تھا۔ میں نے اوّلین نظر میں محسوس کیا کہ یہی وہ شخص ہے۔ جس کی جستجو مجھے عربستان میں کھینچ لائی ہے۔ یعنی یہی وہ قائد ہے۔ جو بغاوت عرب کو پوری طرح کامیاب بنا سکتا ہے"۔

فیصل کے ساتھ ایک عرب سپاہی مولود نامی بھی تھا۔ وہ پہلے ترک فوج میں افسر تھا۔ میسوپوٹیمیا کے کسی معرکہ میں اسیر ہوکر برطانی سپاہیوں کے ہاتھ آیا۔ اور اُسے اس شرط پر آزادی عطا کی گئی کہ وہ عرب باغیوں کے ساتھ مل کر ترکوں سے لڑے چنانچہ وہ فیصل کی فوج میں شامل ہوگیا۔

فیصل نے لارنس کو بغاوت کے تمام حالات بتائے۔ اور کہا کہ ترک ہماری چوکیوں پر متواتر حملے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جنگ کا آغاز دشنام وطعن سے ہوتا ہے۔ گالیوں کے بعد گولیاں چلتی ہیں۔ اور جنگ چھڑ جاتی ہے۔ ترک پکار کر کہتے ہیں "اد انگریز"! عرب یہ سن کر بے حد برافروختہ ہوتے ہیں۔ اور جواب میں پکارتے ہیں "اد

جرمنو!"

لارنس کی تقریر | رات کو مختلف قبایل کے شیوخ کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی گئی۔ لیکن یہ کسی کو نہیں بتایا گیا کہ یہ اجنبی جس کے خیالات سننے کے لئے انہیں دعوت دی گئی ہے۔ کوئی افرنجی الاصل مسیحی ہے۔ بلکہ لارنس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا۔ کہ یہ ایک شامی نوجوان ہے۔ جسے عرب کی "حرکت وطنیہ" سے ہمدردی ہے جب تمام لوگ جمع ہو چکے۔ تو لارنس اٹھا۔ اور تقریر شروع کر دی۔ تقریر کا آغاز ان شامی باغیوں کے المناک ذکر سے ہوا۔ جنہیں غداری کی پاداش میں سزائے موت دے دی گئی تھی۔ لارنس نے اُن کا ذکر کر کے ایک کامیاب ممثل کی طرح بے حد تعلق واندوہ کا اظہار کیا۔ لیکن عربوں کی فطری شرافت کو لغاوت بھی نہیں دبا سکی تھی۔ مجمع سے صدا بلند ہوئی کہ "اچھا ہوا ایسے غداروں کی یہی سزا تھی" اُن کا ارادہ تھا کہ اگر ترکوں کو شکست ہوئی۔ تو وہ افرنجی حکومت قبول کر لیں گے۔ لارنس نے اُن کے فحوائے کلام سے یہ معلوم کر لیا کہ انہیں یہ خطرہ ہے کہ انگریز ترکوں کو نکال کے یہاں۔ اس ملک پر تصرف نہ کر لیں۔ چنانچہ اُس نے انہیں سمجھایا۔ کہ جیسے فرانسیسیوں کو ان کے ملک میں انگریزی عساکر جرمنوں سے پیکار آزما ہیں۔ انگریزوں سے اس قسم کا خطرہ نہیں۔ تو عربوں کو بھی بدگمانی نہیں کرنا چاہیئے۔

عرب کی خود مختار سلطنت کا تصور بہت دلفریب تھا۔ لیکن عرب کبھی نہیں

لہ ایک اور موقع پر لارنس نے اسی دلیل سے ایک عرب کو قائل کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ فوراً پکار اُٹھا۔ "کیا تو فرانس کو عرب کی مقدس سرزمین سے تشبیہ دیتا ہے" دیکھئے "لارنس اور عریبیا" مصنفہ رابرٹ گریوز۔

بھول سکتا تھا۔ کہ ترک بایں ہمہ الحاد و زندقہ مسلمان ہیں۔ اُن کے خلاف تلوار اُٹھانا۔ اور مسیحیوں سے اتحاد کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ جب مسیحی مسیحیوں کے خلاف تلوار اُٹھانے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتے تو مسلمانوں کو بھی اپنے وطنی مقاصد کی خاطر مسلمانوں سے پیکار آزما ہونے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔

غرض کہ لارنس نے اپنی خطیبانہ سحر کاری کی بدولت مجمع کو مسحور کر لیا۔ عربوں کے اکثر شکوک رفع ہو گئے۔ اور یہ "شامی نوجوان" خاص احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

فیصل کے ساتھ آٹھ ہزار سپاہی تھے۔ جن میں بیشتر کوہستانی تھے۔ وہ اپنے شیوخ کے سوا اور کسی کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ شریف حسین اور اُس کے فرزندوں کے تدبر میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ انہوں نے بعض ایسے قبائل کو جن کے مابین صدیوں سے نزاع برپا تھا۔ متحد کر دیا۔ تاہم یہ اندیشہ تھا۔ کہ کہیں پھر وہ پرانا جذبہ فساد بیدار نہ ہو جائے۔

لارنس عرب کے حالات کا معائنہ کر کے قاہرہ پہنچا۔ وہاں عربوں کی اعانت کے مسئلہ پر پہلے ہی غور و خوض ہو رہا تھا۔ لارنس نے قاہرہ کی برطانی افواج کے سالار اعظم سے مل کر اُسے بغاوت عرب کے بعض حقائق سے آگاہ کیا۔ اور کہا کہ اگر عرب میں برطانی فوج بھیجی گئی۔ تو اُس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔ عرب اس سرزمین میں کسی اجنبی سلطنت کے عساکر کو نہیں دیکھنا چاہتے۔ اُن کے پاس کافی سامان حرب بھیج دیا جائے۔ مدینہ اور رابغ کے مابین جو کوہستانی علاقہ ہے۔ اُس پر وہ اپنا

تصرّف قائم رکھ سکیں گے۔ ادھر قاہرہ میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ ایک فرانسیسی افسر کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جائے۔ لیکن جب لارنس نے بتایا۔ کہ عربوں کی مذہبی روایات کا پاس ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ برافروختہ ہو کر اپنی بندوقوں کا رُخ انگریزوں کی جانب پھیر دیں۔ تو یہ ارادہ منسوخ کر کے فیصل کی افواج کے لئے ذخائر حرب بھیجنے کا حکم نافذ کیا گیا۔ اور اس طرح لارنس نے اتحادیوں کو ایک خوفناک غلطی سے بچا لیا۔

آٹھواں باب

الوجہہ کی تسخیر

آخر اُمید کا آفتاب بندرگاہ ینبوع کے اُفق پر طلوع ہوا یعنی اتحادیوں کا بھیجا ہوا سامانِ حرب آپہنچا۔ کپتان گارلینڈ کو جو ایک نہایت تجربہ کار انگریز افسر تھا۔ عربوں کی فوجی تربیت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ گارلینڈ اُنہیں ڈائنامیٹ اور دوسری آتشگیر اشیاء کا استعمال سکھاتا تھا۔ لارنس نے بھی گارلینڈ کے وسیع تجربہ سے استفادہ کیا ✦

ہجوم و دفاع کے دو خط قرار دیئے گئے فیصل نے ینبوع اور رآبغ میں ترکوں کے ہجوم اور حملہ کو روکنا چاہا۔ جو اِن پر قبضہ کر کے کر معظمہ کی جانب بڑھنا چاہتے تھے۔ اور الوجہہ پر جو ینبوع سے دو سو میل کے فاصلہ پر بحیرۂ قلزم کی ایک بندرگاہ ہے۔ ہجوم کا ارادہ کیا گیا۔ اگرچہ اُنہیں کئی مرتبہ ترکوں سے شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔ لیکن انگریزی جہاز سمندر سے ترکوں کی فوج پر آگ برساتے تھے۔ اور طیارے فضا سے گولے پھینکتے تھے۔ جب ترکوں نے ینبوع پر یورش کی۔ تو اُنہیں تین دُشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ سامنے فیصل کی فوج تھی۔ جو جدید سامان حرب سے آراستہ تھی۔ بالا ئے سر برطانی طیارے پرواز کر رہے تھے۔ اور دہنی جانب سے برطانی جہاز گولہ باری

میں مصروف تھے۔ ناچار انھیں پیچھے ہٹ جانا پڑا ۔

قبائل کی جنگ۔ اس علاقہ کے تمام قبائل شریف حسین کی بادشاہت تسلیم کر چکے تھے۔
جہینہ، حرب وغیرہ سب کے سب ترکوں کے مخالف تھے۔ قبائل اگرچہ طریق
جنگ سے نابلد ہوتے ہیں لیکن ان کی شجاعت میں کسی کو کلام نہیں۔ ینبوع کے
ایک معرکہ میں جبکہ عرصہ کارزار گرم تھا۔ ایک قبیلہ کے لوگ یکایک ہٹے اور غائب
ہو گئے۔ ان کی غیر متوقع پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیصل اور لارنس کو بھی ہزیمت اٹھا کر ہٹ
جانا پڑا۔ شام کو اس قبیلہ کا سردار فیصل کے پاس آیا۔ اور جب اس سے اس عجیب
غریب طریق عمل کا باعث پوچھا۔ تو اس نے نہایت لاپروائی سے جواب دیا۔ "ہم
پیاسے تھے پانی پینے چلے گئے تھے"۔

ان بے قاعدہ اور طریق حرب سے نابلد قبائل کے علاوہ باقاعدہ فوج بھی تھی
جس کی قیادت عزیز المصری اور مولود کر رہے تھے۔ یہ دونوں نہایت آزمودہ کار سپاہی
تھے۔ اور مدتوں ترکوں کی فوج میں رہ چکے تھے۔

لیکن یہ نہ سمجھئے کہ حجاز کی فتح کے اس عہد میں لارنس محض تلوار کے جوہر
دکھاتا رہا۔ بلکہ اس نے ہر موقع پر اپنے خطیبانہ کمالات سے کام لینے کی کوشش
کی۔ اس نے فوجی وردی ترک کر کے عربی لباس اختیار کر لیا تھا۔ زبان بہت
سے راز فاش کر دیا کرتی ہے۔ لیکن وہ عربی نہایت روانی سے بول سکتا ہے۔ یہ درست
ہے کہ اس کی زبان میں عربی فصاحت مفقود ہے لیکن شام[1] کے دیہاتیوں کی تقریباً

[1] لارنس کی زباندانی کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ لاول لکھتا ہے کہ وہ نہایت صحیح عربی
بول سکتا ہے۔ رابرٹ گریوز نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ لارنس نے خود اپنے

اُسی قسم کی زبان بولی جاتی ہے۔ لارنس کا سوانح نگار ٹامس لاول اُس کی مخصوص سرگرمیوں کے متعلق لکھتا ہے:۔

"لارنس نے صرف دو رفقا کے ساتھ صحرائے عرب کا سفر اختیار کیا۔ وہ خانہ بدوش قبائل کے ہر قیامگاہ پر ٹھہر جاتا تھا اور شیوخ کو طلب کر کے نہایت صحیح اور بے عیب عربی زبان میں اپنے مقاصد بیان کرتا تھا۔ لارنس مسیحی تھا۔ اور اس ارض پاک میں اُس کا سفر مداخلت کا حکم رکھتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کہ وہ شریف حسین کے عزیز ترین فرزند شہزادہ فیصل کا فرستادہ تھا۔ اس امر کی کافی ضمانت تھی کہ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ رات کو نماز کے بعد وہ سیاہ خیموں کے سامنے بیٹھ جاتا تھا اور اپنے میزبانوں سے عرب کی گذشتہ عظمت، اور موجودہ غلامی اور نکبت کا ذکر اس طرح کرتا تھا کہ قبیلے کے ہر فرد کی رگوں میں خون جوش مارنے لگتا تھا۔ بکری کے کباب سامنے آتے۔ چائے کا دور چلتا تھا۔ اور لارنس نہایت دانشمندی سے ترکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کے امکان پر بحث کرتا تھا۔ اُس نے اُنہیں یقین دلایا۔ کہ اب اس امر میں پس و پیش کرنا مشیت ایزدی سے مقابلہ کرنے کا مرادف ہے کیونکہ اُن کا قدیم دشمن فرانسیسی، اطالوی اور روسی سپاہیوں سے جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ اور عربوں کے عزائم کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔"

(بقیہ حاشیہ) ایک مکتوب میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اگرچہ میں تقریباً بارہ ہزار الفاظ جانتا ہوں لیکن عربی زبان بہت وسیع ہے۔ اہلِ حجاز کی سی فصاحت کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی"

اگر لاول کے اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑیگا، کہ عرب قبائل کے اتحاد میں لارنس کی سعی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس بیان کو بامعان نظر دیکھئے لارنس نے بھی وہی حربہ استعمال کیا۔ جو اس سے پہلے بغاوت کے دوسرے نقیب استعمال کر چکے تھے یعنی عربوں کی عظمت وسطوت پارینہ کا ذکر کرکے انہیں ترکوں کے دائرۂ انقیاد سے نکلنے کی دعوت دی گئی۔ یہ دعوت کامیاب ثابت ہوئی۔ اور عرب قبائل گروہ در گروہ فیصل کے پاس پہنچنے لگے +

حملہ الوجہ کے مغرب کی جانب سمندر ہے۔ مشرق کی سمت میدان۔ اور جنوب کی طرف ایک خشک وادی مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ خشکی اور تری دونوں جانب سے حملہ کیا جائے۔ چنانچہ کپتان بائل۔ قبیلہ حرب اور قبیلہ جہینہ کے تقریباً ایکہزار آدمیوں کو سمندر کی راہ سے بھیجا گیا اور باقی فوج جس کی تعداد دس ہزار تھی خشکی کے راستہ سے بڑھی۔ الوجہ کے ترک گورنر نے جب یہ سنا تو اس نے تمام سپاہیوں کو جن کی تعداد دو سو سے متجاوز نہیں تھی۔ طلب کرکے ایک نہایت پرجوش تقریر کی جس کا ملخص یہ تھا۔ کہ ترکوں کو نہایت ثابت قدمی سے مدافعت کرنا چاہئے اور خود اپنے چند رفقا کے ساتھ رات کو ہی شہر سے نکل گیا۔ لیکن اس واقعہ سے ترکوں کے ثبات قدم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور انہوں نے اس شجاعت سے مدافعت کی کہ حملہ آور دنگ رہ گئے +

الوجہ کا معرکہ عرب کی تاریخ بغاوت میں بہت اہمیت رکھتا ہے علی الخصوص مٹھی بھر ترکوں نے جس دلیری اور پامردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کسی شجاع قوم نے اپنے دشمن کی شجاعت

کا اعتراف کیا ہو۔ لیکن اس معرکہ کے تذکرہ میں انگریز مورخوں کے قلم سے بھی
ایک آدھ تعریفی جملہ ٹپک پڑا ہے۔ حملہ کی تیاریاں جس زور شور سے کی گئیں
اُن سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب ساری کائنات کو فتح کرنے نکلے ہیں[1]۔
سمندر سے برطانی جنگی جہاز جن کی کمان خود امیر البحر ویسلن ویمس کر رہا تھا۔ گولے
برسا رہے تھے۔ ادھر نو ہزار شجاع عرب جو جدید ترین سامان حرب سے آراستہ
تھے خشکی سے پیشقدمی کر رہے تھے۔ اور یہ سارا اہتمام کس لئے کیا گیا تھا؟ فقط
دو سو ترک مجاہدین کے لئے! جب گولوں نے قلعہ کے استحکامات کو تباہ کر دیا تو قبائل
جہینہ اور حرب کے افراد ساحل پر اترے۔ ادھر فیصل نے یورش کی۔ ترک نہایت
پامردی سے لڑے۔ اور سب کے سب کٹ کر مر گئے۔ قتل و ہلاکت کا طوفان تھما اور
تلوار نے دم لیا۔ تو غارت گری کی نوبت آئی۔ اور چند ساعتوں میں سارا شہر لوٹ
لیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۳ر جنوری ۱۹۱۷ء کا ہے۔

[1] ایک عرب نے الوجہہ پر قبائل کے ہجوم کا منظر دیکھ کر کہا تھا "ساری دنیا الوجہہ کی جانب پیشقدمی کر رہی ہے"

نواں باب

بغاوت کی کامیابی کا پہلا مرحلہ

الوجہہ کی تسخیر بغاوت عرب کی تاریخ میں اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے بعد تمام ساحلی مقامات ترکوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ اب یہ اندیشہ نہیں رہا تھا کہ وہ سمندر کی جانب سے حملہ کر سکیں گے۔ فیصل کی اس کامیابی نے اتحادیوں پر حیرت انگیز اثر کیا۔ یا تو وہ عرب کی بغاوت سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے۔ یا اب یہ اندیشہ دامنگیر ہو گیا کہ عربوں کی فتحمندی کا سیلاب کہیں بڑھتا ہوا دمشق کی دیواروں تک نہ جا پہنچے۔ اور وہ ایک مشترکہ عرب سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

مغرب میں عہود و مواثیق اس لئے نہیں کئے جاتے کہ انہیں پورا بھی کیا جائے۔ شریف حسین سے جو عہد کئے گئے تھے۔ وہ اس یقین اور اعتماد کے ساتھ کئے گئے تھے کہ بغاوت عرب کامیاب نہیں ہو گی۔ اور ان عہود کے ایفا کی نوبت نہیں آئے گی۔ شریف حسین سے پیمان وفا باندھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ترکی فوج کا ایک بڑا حصہ عرب کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہے۔ البتہ

وہ اتنا ضرور چاہتے تھے ۔ کہ بغاوت[1] کا سلسلہ دیر تک جاری رہے ۔ تاکہ ترکوں کو فلسطین اور عراق میں اتحادیوں کے مقابلہ پر اپنی تمام عسکری قوت جمع کرنے کا موقع نہ ملے ، افسوس مغربی ملکیت کے دامن میں سب کچھ ہے ۔ خلوص کی متاع نہیں !

غرض کہ جنگ کا نقشہ بدلتے ہی اتحادیوں کے طریقِ عمل میں بھی فرق آگیا ۔ فرانس جو شام پر قبضہ رکھنا چاہتا تھا ۔ عربوں کی پیش قدمی کو حیرت اور خوف کی نظر سے دیکھنے لگا ۔ اب فرانس اور انگلستان دونوں میں سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ عربوں کا اعتماد حاصل کرنے میں اپنے حریف پر گوئے سبقت لے جائے ۔ لارنس جب قاہرہ پہنچا تو فرانسیسی کرنل نے جو فرانس کے عساکر متعینہ مصر کا سالار تھا ۔ اُسے طلب کرکے کہا کہ میں عقبہ پر قبضہ کر لینا چاہتا ہوں ، عقبہ بحیرۂ قلزم کے انتہائی سرے پر ایک بندرگاہ ہے ۔ اُس کا مقصد یہ تھا ۔ کہ عقبہ پر قبضہ کرکے معان پر بھی تسلّط کر لیا جائے ۔ جو عقبہ سے اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے +

لارنس نے جواب دیا کہ عقبہ کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ اُس پر سمندر سے کامیاب حملہ نہیں کیا جاسکتا ۔ بہتر یہی ہے کہ عرب خشکی سے اُس پر حملہ کریں ۔ اُنہیں یقیناً کامیابی ہوگی ۔ فرانسیسی کرنل یہ جواب سُن کر راضی نہیں ہوا ۔ بلکہ اُوجبہ میں جاکر فیصل سے ملا ۔ شاید فیصل سے وہ عقبہ پر حملہ کی اجازت لے لیتا ۔ لیکن اس کی ایک غلطی کی بدولت فیصل ناراض ہوگیا ۔ اور یہ گفتگو ناکام ثابت ہوئی ۔ اُتنا سے

[1] یہ تصریحات ہماری نہیں ۔ بلکہ رابرٹ گریوز نے اپنی کتاب "لارنس اور عرب" میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۔ کہ اتحادی عربوں کے اعتماد پر پہنچتے تھے ۔ اور بغاوت عرب کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے ۔

گفتگو میں فیصل نے اس سے چند کوہستانی توپیں طلب کیں۔ کرنل نے جواب دیا۔ کہ عرب میں کوہستانی توپیں بیکار ہیں۔ عربوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہاڑیوں پر بکریوں کی طرح چڑھ جائیں۔ چونکہ عربوں کے نزدیک کسی کو بکری کہہ دینا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے فیصل کو غصہ آ گیا۔ اور کرنل حرف مدعا زبان پر لائے بغیر واپس چلا آیا۔

اُدھر قاہرہ کے برطانی عساکر کا سالار اعظم عربوں کو اپنی حمیت قلب کا یقین دلانے کے لئے فوج کا ایک دستہ بھیجنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اب انگریزوں کو بھی یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں شریف حسین اُن کے حقیقی مقاصد سے آگاہ ہو جائے۔ لارنس نے اُسے یقین دلایا۔ کہ عرب[۱] انگلستان پر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔ اُن کی اعانت کے لئے فوج بھیجنا غیر ضروری ہے۔ چنانچہ سویز سے صرف دو مسلح گاڑیاں بھیجی گئیں۔ اور سادہ لوح عرب انہیں غیر مترقبہ نعمت سمجھ کر خوش ہو گئے۔

بعض عرب قبائل ابھی تک بغاوت میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ شریف حسین کی کامیابیوں نے اُن کا عقیدہ بھی متزلزل کر دیا۔ امیر نوری جو سرحد عراق کے قبائل کا فرمانروا تھا۔ بغاوت میں علانیہ شریک ہو گیا۔ عودہ ابن ابو طائی جس کی شجاعت کے افسانے مورخین نے نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ اور جسے شمالی عرب کا سب سے بڑا شہسوار سمجھا جاتا تھا۔ قبیلہ ابو طائی کی مختصر جمعیت لے کر فیصل کے ساتھ آ ملا۔ ہر عرب شیخ کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر فیصل کے پاس آتا

[۱] شریف حسین نے ایک موقع پر بحیرہ قلزم میں برطانی جنگی جہاز دیکھ کر کہا تھا "اے برطانیہ تو بحر پیمائی سے اور میں ایک حقیر مخلوق ہوں" ملاحظہ ہو لارنس کے ساتھ عرب میں" مصنفہ لاول ٹامس

تھا۔ قبیلہ حویطات کا شیخ جب فیصل سے ملنے چلا۔ تو خالی ہاتھ تھا۔ اُس نے ترکوں کی دو چوکیاں جو بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع تھیں۔ لوٹ لیں۔ اور بہت سا مال غنیمت لے کر فیصل کے پاس پہنچا ٭

جعفر پاشا — عربوں کی فوج میں ابھی تک کوئی آزمودہ کار جرنیل نہیں تھا۔ جو جدید فن حرب سے اچھی طرح آگاہ ہو۔ یہ کمی جعفر پاشا نے پوری کردی۔[۱] جعفر ایک عراقی النسل عرب تھا۔ اور عرصہ دراز تک ترکی عساکر میں رہ چکا تھا۔ غازی انور پاشا نے اس کو مجاہدین سنوسی کی تنظیم پر مامور کیا تھا۔ جعفر نے نہایت قابلیت سے یہ خدمت انجام دی۔ مصر کے ایک معرکے میں وہ اسیر ہوکر انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ اور قاہرہ میں قید کردیا گیا۔ وہ ایک مرتبہ قید سے بھاگ نکلا۔ لیکن پھر گرفتار کرلیا گیا۔ اُسے معلوم تھا۔ کہ بازار استعمار میں غداری کا سکہ چلتا ہے۔ اور آزادی کی متاع اسی سے خریدی جاسکتی ہے۔ اس لئے اُس نے بغاوت عرب میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ اور اُسے آزاد کرکے فیصل کے پاس بھیجدیا گیا۔ فیصل نے باقاعدہ فوج کی قیادت اُس کے سپرد کردی ٭

الوجہ کی تسخیر سے باغیوں کو ایک بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ مکہ معظمہ کی جانب ترکوں کی پیش قدمی رک گئی۔ انہیں خیال تھا کہ عربوں نے اپنی تمام عسکری قوت رابغ میں مجتمع کر رکھی ہے۔ اور وہ اپنی کوششیں محض دفاع تک محدود رکھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم کرکے بے حد تعجب ہوا۔ کہ انہوں نے دفاعی سرگرمیوں کو ہجوم اور جارحانہ اقدام سے بدل دیا ہے۔ الوجہ پر قبضہ کرنے کے بعد عربوں نے مدینہ کے

---

[۱] جعفر پاشا کے بعد ۱۹۱۶ء میں ایک عزیز [illegible] پاشا بھی باغیوں کے ساتھ آملا تھا ٭

قرب وجوار میں ترکوں کی چوکیوں پر پے در پے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ عبداللہ ایک چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ حوالی مدینہ میں تاخت و تاراج کرنے لگا۔ ترک یہ دیکھ کر پسپا ہو گئے اور اپنی منتشر اور پراگندہ قوت کو مدینہ میں سمیٹ لیا +

لارنس جانتا تھا کہ اس جنگ میں زبان تلوار سے کہیں زیادہ کارگر ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ برابر عربوں کی فتحمندی کے افسانے مشہور کرتا رہا۔ ترکوں کو ہر روز اطلاعیں موصول ہوتی تھیں۔ کہ آج عربوں نے فلاں مقام پر قبضہ کر لیا۔ اور آج فلاں چوکی لوٹ لی گئی۔ حالانکہ ان میں اکثر خبریں بالکل غلط اور بے سروپا ہوا کرتی تھیں + ترکوں کو صرف شمال کی جانب سے کمک پہنچ سکتی تھی۔ لارنس نے یہ راہ بھی مسدود کر دینا چاہی۔ اور اپنی کوششیں حجاز ریلوے کو تباہ کرنے پر مرکوز کر دیں۔ اس کے پاس ڈائنامیٹ کافی مقدار میں موجود تھا جس کی مدد سے ریلوے کا اکثر حصہ تباہ و برباد کر دیا۔ ایک موقع پر جبکہ گاڑی مدینہ کے ترک مجاہدین کے اہل و عیال کو لے کر گذر رہی تھی ایک سرنگ پھٹی حسن اتفاق سے گاڑی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اور وہ صحیح و سالم عورتوں اور بچوں کو لے کر گذر گئی +

انہیں دنوں اطلاع ملی کہ غازی انور پاشا نے مدینہ کی فوج کو حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ خالی کر کے شمال کی جانب پسپا ہو جائیں۔ اور مقام تبوک پہنچ کر اس فوج کے میمنہ میں جا ملیں جو برطانوی عساکر سے نبرد آزما ہے۔ یہ خبر ایسی نہ تھی کہ برطانیہ کے عسکری حلقوں میں اضطراب برپا نہ کر دیتی۔ مدینہ کی ترک فوج اناطولیہ کے شجاع ترکوں پر مشتمل تھی۔ برطانوی افسر جانتے تھے کہ اگر یہ عسکری قوت ہمارے مقابلہ میں صف آرا کر دی گئی۔ تو شام و فلسطین میں ہماری فتحمندی ہزیمت و شکست سے بدل جائے گی۔ اور

ہمارے لئے پسپا ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہیگا۔ اس لئے لارنس کو ہدایت کی گئی۔ کہ جس طرح ہوسکے عرب کے ترکی عساکر کو جنگ و پیکار میں اُلجھائے رکھے اور انہیں اتنی مہلت نہ دے کہ وہ انگریزوں سے پیکار آزمائی کا قصد کرسکیں ٭

لارنس کی تجویز| عبداللہ مدینہ کے شمال مغرب میں ایک چھوٹی سی جمعیت کیساتھ موجود تھا۔ لارنس اُس کے پاس پہنچا۔ تاکہ مدینہ پر حملہ و یورش کے مسئلہ پر غور و خوض کر لیا جائے۔ عبداللہ کے پاس پہنچ کر وہ بخار میں مبتلا ہوگیا۔ اور کئی دن بیمار پڑا رہا۔ بخار کی حالت میں اُس نے مدینہ پر حملہ کے مسئلہ پر غور کیا۔ یکایک اُسے خیال گذرا کہ مدینہ پر یورش کا ارادہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ اتحادیوں کے مقاصد کی تکمیل تو اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ترکوں کی فوج کا بیشتر حصّہ عرب کی بغاوت میں اُلجھا رہے۔ لیکن اگر مدینہ کے استحکامات پر قبضہ کر لیا گیا تو ترک عساکر کا ایک حصّہ جو حجاز ریلوے کی حفاظت کر رہا ہے پسپا ہو کر فلسطین کے ترک مجاہدین سے جا ملے گا۔ مزید براں ترک قیدیوں کو خوراک دینا پڑے گی۔ اور عرب میں جہاں سامان خورونوش کی قلت کامیابی کی راہ میں سب سے بڑی دشواری ہے۔ بے حد دقت پیش آئے گی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ عرب مدینہ کے استحکامات پر حملہ کر کے اپنی قوت ضائع کرنے کی بجائے مدینہ کی محافظ فوج کا پیوند فلسطین کے ترک عساکر سے منقطع کردیں۔ ایسا ہو جائے تو عربوں کی قوت سے فلسطین میں کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ لارنس نے صحت پاتے ہی عبداللہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی طاقت مدینہ پر تاخت میں صرف کرنے کے بجائے اپنی ساری قوتیں حجاز ریلوے کو تباہ کرنے پر مرکوز کردے تاکہ مدینہ کی محافظ فوج کو شمال کی جانب سے کوئی کمک نہ پہنچ سکے ٭

فیصل اور اُس کے دوسرے مشیروں سے بھی لارنس نے کہا کہ حجاز میں اپنی عسکری قوت ضایع کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ شمال کی جانب بڑھ کر عقبہ پر قبضہ کر لیا جاتے لیکن مدینہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اس لئے وہ اس تجویز پر عمل نہ کر سکے ◆

ابھی اس مسئلہ پر غور و فکر ہو رہا تھا کہ لارنس کی ملاقات قبیلہ حویطات کے مشہور شہسوار عودہ ابن ابوطائی سے ہوئی۔ عودہ[۱] کی شجاعت، بے باکی اور سادگی نے لارنس کو بہت گرویدہ کر لیا۔ اور ان دونوں میں رابطۂ دوستی مستحکم ہو گیا ◆

[۱] عودہ ابن ابوطائی کے متعلق لارنس کے سوانح نگاروں نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عودہ نے اٹھائیس مرتبہ شادی کی۔ تیرہ مرتبہ زخمی ہوا۔ اُس نے جنگ میں پچھتر عربوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لوگ بھی تھے۔ عودہ نہایت فیاض، شجاع اور بذلہ سنج شخص تھا۔ وہ بھی انہیں فریب خوردہ لوگوں میں تھا۔ جو اتحادِ عرب کے نام پر ترکوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ اُس کی بیباکی کے متعلق ایک واقعہ رابرٹ گریوز نے اپنی کتاب "لارنس اور عرب" میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ ایک موقع پر جبکہ فلسطین کے ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیمول سے عرب شیوخ کا تعارف کرایا گیا سر ہربرٹ نے ترکوں کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے عودہ کی جانب رُخ کر کے کہا کہ اب تو آپ خوش ہوں گے۔ کہ مشرق میں امن قایم ہو گیا ہے۔ عودہ نے جواب دیا "امن! جب تک فرانسیسی شام میں ہیں۔ انگریز عراق میں اور یہودی فلسطین میں امن کیونکر ممکن ہے!" سر ہربرٹ نے یہ کھری کھری باتیں سنیں اور مسکرا کر خاموش ہو رہا ◆

دسواں باب

صحرائے عرب کا سفر

فیصل اور اُس کے مشیر مدینہ کے محاصرہ پر اپنی تمام تر توجہ صرف کر رہے تھے۔ اور لارنس عقبہ کی تسخیر کے مسئلہ پر غور میں مصروف تھا۔ ابتدا میں یہ تخیل دُھندلا سا تھا۔ لیکن طویل غور و فکر نے اُسے روشن کر دیا۔ اور لارنس کے ذہن میں حملہ کی تمام جزئیات و تفاصیل ایک ایک کر کے آگئیں۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ فیصل کو الوجہہ میں چھوڑ کر ایک مختصر جمعیت کے ساتھ عقبہ پر حملہ کرے۔ اور عربوں کے لئے شام و فلسطین میں فتوحات کا دروازہ کھول دے +

فیصل نے لارنس کو اس مقصد کے لئے بائیس ہزار پونڈ دیئے۔ اُس نے یہ رقم اپنے رفقا میں تقسیم کر دی۔ اور یہ مختصر سا قافلہ جس میں لارنس کے علاوہ قبیلہ حویطات کا مشہور شہسوار عودہ ابن ابوطائی۔ شریف حسین کا ایک عزیز ناصر اور دو عرب شامی نسیب اور زکی شامل تھے۔ شمال کی جانب روانہ ہو گیا +

الوجہہ اور عقبہ میں وسیع ریگ زار حائل ہے جس میں بہت کم نخلستان پائے جاتے ہیں۔ لارنس نے اس سفر کی کیفیت نہایت پُر لطف انداز میں

لکھی ہے۔ راستہ کی صعوبتوں کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ آنکھوں تلے صحرائے عرب کی بے پایاں وسعت۔ ریت کے تودوں۔ اور بے آب وگیاہ میدانوں کا نقشہ پھر جاتا ہے۔ غرضکہ وہ تکلیفیں اٹھاتے سولھویں دن عرفجہ نام ایک مقام پر پہنچے۔ جہاں سے سرسبز نخلستانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جوف میں اُن کی ملاقات ابن نوری سے ہوئی جو اس علاقہ کا فرمانروا تھا۔ یہ شخص بغاوت عرب کی حمایت و تائید کا عہد کرچکا تھا۔ لارنس نے اُسے چھ ہزار پونڈ دے کر اس عہد پر مہر توثیق کرالی۔ اور اسی علاقہ کے ایک چھوٹے سے قریہ میں جہاں سے عقبہ ایک سو اَسّی میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب تھا۔ پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ اور ارد گرد کے قبائل کو جمع کرکے ایک بے قاعدہ فوج مرتب کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں لارنس کے رفقا کے ارادے کسیقدر متزلزل ہوگئے۔ اور اس امر پر غور ہونے لگا۔ کہ عقبہ کے بجائے دمشق پر حملہ کیا جائے لیکن لارنس کے دلائل نے انہیں قائل کرلیا۔ اور یہ صلاح ٹھہری کہ نصیب اور زکی کو جبل دروز میں بھیجدیا جائے۔ تاکہ وہ فرزندانِ دروز کو ترکوں کے خلاف برانگیختہ کریں۔ اور دمشق پر حملہ کا وقت آئے تو یہ مرحلہ بھی آسانی سے طے ہوجائے +

خفیہ معاہدہ | ادھر تو شریف حسین سے وعدہ کیا جاچکا تھا۔ کہ عربوں کو آزادی عطا

لہ مصر کے ہائی کمشنر سر ہنری مکموہن نے شریف حسین سے جو وعدے کئے تھے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ شام کے اُن اضلاع میں جن کے باشندے خالص عربی النسل ہیں۔ فرانسیسی اقتدار کی مخالفت کی جائے گی + سر ہنری نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو شریف کے نام پر (دیکھئے صفحہ ۵۷)

کی جائے گی۔ اور صرف حجاز میں ہی نہیں۔ بلکہ شام اور عراق میں بھی انہیں کا علم استقلال بلند ہوگا۔ اور اُدھر روس۔ برطانیہ اور فرانس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوچکا تھا۔ جس کا مفاد یہ تھا کہ ترکوں کے ایشیائی مقبوضات کے حصے بخرے کر لیئے جائیں گے۔ اور شام فلسطین اور عراق پر ہلالی پرچم کے بجائے صلیبی نشان لہراتا نظر آئے گا۔ عرب مآل کار سے بے خبر برطانیہ کے مواعید پر اعتماد کیئے بیٹھے تھے کہ یکایک روس میں انقلاب کا طوفان اپنی پوری قوت سے پھٹ پڑا اور زار کے ایوانِ عظمت کو ایک ہی ریلے میں بہا لے گیا۔ بالشویکوں نے جن کے مقاصد مستعمرین فرنگ کے عزائم سے بالکل جداگانہ تھے۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہ خفیہ معاہدہ شایع کر دیا۔ ترکوں نے اتحادیوں کی عیاریوں سے دنیا کو آگاہ کرنے کے لئے اس کا عربی ترجمہ چھپوا کر بکثرت تقسیم کیا۔ اور عربوں کو پہلی مرتبہ اس حقیقت کا علم ہوا کہ اتحادی شام۔ عراق اور فلسطین کو اپنے احاطۂ اقتدار میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر اس وقت بھی عرب ہوشمندی سے کام لیتے۔ اور اتحادیوں کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیتے۔ تو یقیناً جنگ کا نقشہ بدل جاتا۔ لیکن بد قسمتی سے عربوں کو برطانیہ پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ جسے یہ انکشاف بھی متزلزل نہ کر سکا۔ چنانچہ امیر نوری کے پاس جب اس معاہدہ کی ایک نقل پہنچی تو وہ سیدھا لارنس کے پاس گیا۔ اور اُسے یہ عہد نامہ دکھا کر اتحادیوں کی اس عجیب حرکت کا باعث پوچھا۔ لارنس نے اُسے یہ جواب دے کر ٹال دیا۔ کہ اتحادیوں نے

(بقیہ حاشیہ) مکتوب لکھا تھا۔ اس کا مفاد یہ تھا کہ "حکومت برطانیہ عربوں کے جذبہ آزادی و استقلال سے ہمدردی رکھتی ہے۔ اور اس سلسلے میں انہیں ہر قسم کی مدد دینے پر آمادہ ہے +

عربوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے۔ اس نے پہلے تمام معاہدات پر خطِ فسخ کھینچ دیا ہے۔ آپ بے فکر رہیئے۔ تمام وعدے حرف بحرف پورے کیے جائیں گے۔

لارنس کے ان الفاظ نے امیر نوری کے شبہات دور کر دیئے۔ اور اس نے یقین کر لیا کہ اتحادی عربوں کی ایک مطلق العنان متحدہ سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ہو گی لیکن دنیا جانتی ہے کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اور جب جنگ کا طوفان تھما۔ تو یہ عہود و مواثیق نہایت بے دردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

لارنس زنانہ لباس میں | لارنس ۳ر جون ۱۹۱۷ء کو اپنے چند رفقا کی معیت میں شمال کی جانب روانہ ہوا۔ اور تقریباً دو ہفتہ تک غائب رہا۔ یوں تو اُس نے بغاوت عرب کے تمام واقعات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن اس مقام پر اُس کا قلم یک بیک خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اس عرصہ میں کہاں رہا؟ کیا کرتا رہا اور اُس نے اپنے سوانح حیات میں ان واقعات کو کیوں قلم انداز کر دیا البتہ اُس کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ اُس نے یہ زمانہ دمشق اور بعلبک میں بسر کیا۔

لاول ٹامس لکھتا ہے کہ اس پُراسرار سفر میں لارنس کے ساتھ قبیلہ عنترہ کے ایک شخص کے سوا کوئی نہیں تھا۔ لارنس زنانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کا چہرہ ایک دبیز نقاب سے پوشیدہ تھا۔ شجاع ترک جنس لطیف کا احترام کرتے ہیں۔ یہ جذبۂ احترام انہیں مجبور کرتا تھا کہ لارنس اور اُس کے رفیق سے کوئی تعرض نہ کریں۔ یہ دونوں زنانہ لباس کی بدولت ترکی عساکر سے صحیح و سالم گذر گئے۔ اس سفر کے مقاصد پر بھی تاریک پردہ پڑا ہے لیکن لاول ٹامس کا بیان ہے کہ لارنس نے یہ خطرناک سفر وادی فرات کے

قبائل کو ترکوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کی غرض سے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ اس مقصد میں اُسے کامیابی ہوئی اور بعض وہ قبائل جو ابھی تک بغاوت میں شرکت سے انکار کر رہے تھے۔ شریف حسین کے حامی ہو گئے +

لیکن[۵۱] اس سفر کا عجیب ترین واقعہ یہ ہے کہ بعلبک کے قریب پہنچکر لارنس نے اپنے رفیق سفر کو شہر کے باہر چھوڑا۔ اور خود فوجی وردی میں شہر کے اندر داخل ہو گیا ترکوں نے اُسے جرمن افسر سمجھا اور کسی نے مزاحمت نہیں کی + بعلبک کی سیر کر کے اُس نے پھر زنانہ لباس اختیار کر لیا۔ اور قرب وجوار کے شیوخ سے ملاقات کر کے اُن سے بغاوت میں شریک ہونے کا عہد لیا +

یہاں سے لارنس نے دمشق کا رُخ کیا۔ دمشق کا گورنر علی رضا پاشا در پردہ بغاوت کا حامی تھا۔ اُس نے لارنس کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ یہاں سے آگے بڑھا تو اسے ایک اور عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ایک چھوٹے سے قصبہ سے گزر رہا تھا کہ یکایک چند ترک سپاہیوں نے اُسے مفرور سپاہی سمجھ کر روک لیا۔ فوجی صدر مقام پر لے گئے۔ جہاں افسروں نے سزائے تازیانہ کا حکم دیا۔ اور اُس کی پیٹھ تازیانوں سے فگار کر دی گئی۔ لارنس پر شدت اذیت سے بیہوشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو وہ بھاگ نکلا۔ اور[۵۲] معان سے ہوتا ہوا عقودہ اور ناصرہ سے آ ملا۔ یہ ہے لارنس کے پُراسرار سفر کی وہ داستان جس کی صحیح تفاصیل پر شاید ہمیشہ راز کا پردہ پڑا رہیگا۔

---

۵۱ "وِد لارنس اِن اریبیا" لارنس کے ساتھ عرب میں۔ صفحہ ۱۹۹ +

۵۲ لاول ٹامس نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ لارنس معان کے قریب زنانہ لباس میں گزر رہا تھا۔ چند نوجوان ترک سپاہیوں نے اُسے عورت سمجھ کر چھیڑنا چاہا۔ اور وہ بمشکل تمام اُن سے بچ کر بھاگا +

گیارھواں باب

سقوط عقبہ

یوں تو بغاوت عرب کے ہر مرحلہ پر لارنس کی ذہانت نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن عقبہ کے معرکہ میں اُس نے جس حیرت انگیز تدبّر اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ اُس کی نظیر بڑے بڑے جرنیلوں کے کارناموں میں نہیں ملتی۔ اور یہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے۔ کہ لارنس کی شخصیت میں عصرِ حاضر کی ایک غیر معمولی ذہانت نمودار ہو گئی ہے +

دمشق کے گرد و نواح میں نصیب اور زکی قبائل کو بغاوت میں شرکت کی دعوت دے رہے تھے۔ اور ترک یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ عرب دمشق پر ہجوم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر لارنس دمشق اور بعلبک میں پہنچا۔ تو ترکوں کا یہ خیال راسخ ہو گیا۔ اور اُنہوں نے عقبہ کے استحکام کی جانب توجہ کرنے کے بجائے اپنی تمام عسکری قوت دمشق میں مجتمع کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقبہ میں ترکوں کی ایک مختصر سی جمعیت رہ گئی۔ جسے شکست دینا چنداں دشوار نہ تھا +

لارنس کے پاس کافی فوج جمع ہو چکی تھی۔ ابوالاسان نام ایک مقام پر جو عقبہ کے قریب واقع ہے۔ ترکوں سے اُس کا مقابلہ ہوا۔ ترک تعداد میں عربوں سے بہت

کم تھے۔ اس لئے شکست کھائی۔ اور لارنس نے آگے بڑھ کر عقبہ کا محاصرہ کر لیا۔ عقبہ کے معرکہ میں بھی برطانی اور فرانسیسی جنگی جہازوں کی اعانت شریک تھی۔ ادھر لارنس خشکی کی راہ سے شہر کی جانب بڑھا۔ اور اُدھر جنگی جہاز سمندر سے آگ برسانے لگے۔ چنانچہ ۶ جولائی ۱۹۱۷ء کو عقبہ پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔ لیکن شہر میں داخل ہو کر اُن کے ہاتھ کیا آیا؟ جنگی جہازوں کی گولہ باری نے تمام استحکامات کو تباہ کر دیا تھا۔ عربوں کو چند کھنڈروں کے سوا کوئی چیز نہ ملی جس پر وہ اپنا دست تاراج دراز کر سکتے۔ اس معرکہ میں بقیہ سات سَو ترک سپاہیوں سے ہتھیار رکھوا لئے گئے۔ اور عربوں نے اُن سے نہایت ذلّت آفریں سلوک کیا +

ترکوں سے ذلت آفریں سلوک | ترکوں پر عقبہ میں جو ستم توڑے گئے۔ اُن کے ذکر سے مغربی مصنفین نے عمداً احتراز کیا ہے لیکن بعض مقامات پر ان کے قلم سے بھی بیساختہ ایسے الفاظ نکل گئے ہیں۔ جن سے عربوں کی ستمگاریوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک مصنّف لکھتا ہے کہ ایک ترک افسر نے لارنس سے شکایت کی کہ مجھے ایک عرب نے ترکی زبان میں نہایت فحش گالی دی ہے۔ لارنس نے جواب دیا "کالائے بد بریش خاوند" عربوں نے ترکی میں گالیاں دینا آپ لوگوں سے ہی سیکھا ہے۔ اس لئے آپ کو گالیاں نہ دیں تو اور کس کو دیں +

عقبہ فتح ہو گیا۔ ترکوں کے خون سے عربی تلواروں نے پیاس بجھائی اسلام کے ان مجاہد فرزندوں کی تحقیر و تضحیک جی کھول کر کی گئی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن سامان خورونوش کا فقدان ایک ایسی دشواری تھی۔ جس کا کوئی حل نہیں تھا۔ چنانچہ لارنس کو قاہرہ کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ ایلنبی انہیں دنوں مصر کا ہائی کمشنر متعین ہوا تھا۔ لارنس نے

اُس سے سقوطِ عقبہ کے تفصیلی حالات بیان کئے۔ اور سامان خورونوش لے کر تھوڑے دنوں میں واپس عقبہ پہنچ گیا +

اب شام کی تسخیر کا مرحلہ پیش تھا۔ لارنس نے شامی عربوں کو ترکوں کے خلاف اُبھارنے پر اپنی تمام کوششیں صرف کردیں۔ وہ جانتا تھا کہ حریت و استقلال کا نام عربوں کے لئے اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتا ہے۔ اور بغاوت کے نقیب جو سقوطِ عقبہ کی خبر لے کر شام اطراف میں پھیل گئے تھے۔ اسی نام پر عربوں کو سرکشی کی دعوت دے رہے تھے +

بغاوتِ عرب کی اس داستانِ خونیں کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تو یہ ہے کہ ابھی تک بیرونی دنیا لارنس کے نام سے بے خبر تھی۔ علی الخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کو تو قطعی علم نہیں تھا۔ کہ انگریزی الاصل عیسائی کے ہاتھوں اسلام کی عزت کس طرح تباہ کرائی جارہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ لارنس کی سرگرمیوں کو عمداً پردۂ اخفا میں رکھا گیا۔ اور خاص خاص لوگوں کے سوا کسی کو یہ نہیں بتایا گیا کہ عرب قبائل کو ترکوں کے خلاف صف آرا کرنے والا کون ہے؟ لطف تو یہ ہے کہ جنگ عمومی کے خاتمہ کے بعد جب زمانہ کے دستِ گستاخ نے لارنس کے چہرہ سے اسرار کا نقاب اُلٹ دیا۔ اور اُس کی سیرت کے بعض پہلو عوام کی نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ تو نہایت سادگی سے کہہ دیا گیا۔ کہ لارنس حکام کی اجازت لئے بغیر فیصل کے پاس چلا گیا تھا۔ اس لئے اُس کے اعمال کی ذمہ داری برطانیہ پر عاید نہیں ہوسکتی۔ یہ نافرمان اور خود سر شخص قاہرہ کے برطانی افسروں سے ملتا رہا۔ اور اُس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ اسے لطفِ خاص کا مورد ٹھہرایا گیا۔ اور غالباً عقبہ کی تسخیر کے انعام نافرمانی کی پاداش

میں اُسے لفٹننٹ سے لفٹننٹ کرنل کے عہدہ پر ترقی دی گئی۔ اور پھر جلد کرنل بنا دیا گیا۔ ہمیں یہ نہیں پوچھنا چاہیئے۔ کہ اس خطاوار کو کیوں نوازا گیا؟ اس گنہگار پر کیوں انعام واکرام کی بارش کی گئی۔ ان اسرار دخفایا تک ہم عامیوں کے ذہن کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ مصالح خسروی ہیں۔ جن کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں +

"گاہے بسلامے برنجند وگاہے بدشنامے خلعت بدہند"+

بارھواں باب

شام کی مہم

عقبہ فتح ہوا تو شام عربوں کے ہجوم و حملہ کا مرکز بن گیا لیکن شام ایک کوہستانی ملک ہے۔ جسے پہاڑیوں سے مختلف علاقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اور جس کے باشندوں کے جذبات و اعیال عقائد اور رجحانات بھی مختلف واقع ہوئے ہیں۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک جانے کے لئے دشوار گزار راستوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ صحرائے عرب کی سی بات کہاں۔ کہ ایک صدا مختلف قبائل کو ایک مرکز پر جمع کر سکتی ہے؟ اس لئے شام کے قبائل کو ایک رشتہ میں منسلک کر دینا بہت مشکل تھا۔ لارنس نے یہی مناسب سمجھا کہ بغاوت کی دعوت کے ساتھ قتل و ہلاکت کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جائے جو اہلِ شام کو فوراً اپنی جانب متوجہ کر لے۔ تخریب و تصادم، شورش و اضطراب اور برہمی و اختلال میں تعمیر اور سکون سے زیادہ کشش ہے۔ مکان تعمیر کیا جاتا ہے۔ تو انسان اُس کی جانب چنداں التفات نہیں کرتا۔ وہ گرتا ہے۔ تو اُس کا دھماکا ہر شخص کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ جب حجاز ریلوے تعمیر کی گئی تھی۔ تو عربوں نے باوجودیکہ اُن کے لئے یہ ایک نئی اور نہایت اہم چیز تھی۔ زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں

کی لیکن جب لارنس نے اُسے تباہ کیا تو عربوں کی توجہ فوراً منعطف ہو گئی ۔

عقبہ کو فتح ہوئے ابھی چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ فیصل اور جعفر پاشا قبائل کی جمعیت کثیر کے ساتھ لارنس کے پاس پہنچ گئے۔ اُس وقت یہ خطرہ بھی دامنگیر تھا کہ کہیں ترک عقبہ پر حملہ نہ کر دیں۔ لارنس نے یہ مشورہ دیا کہ ترکوں کی عسکری قوت کو پے در پے حملوں سے ضعیف کر دیا جائے۔ تاکہ ان میں اتنی سکت نہ رہے کہ عقبہ پر یورش کر سکیں۔ چنانچہ حملوں کا یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن ان میں شجاعت اور مردانگی جو عرب کا فطری جوہر ہے مفقود تھی۔ حملے اس طرح کئے جاتے تھے کہ صحرائے عرب کی وسعت سے عربوں کی ایک مختصر جمعیت نمودار ہوتی ہے اور ترکوں کی چوکیوں پر آگ برسا کر صحرا میں غائب ہو جاتی ہے پھر یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ حجاز ریلوے پر ایک گاڑی چلی جاتی ہے۔ ایک مقام پر پہنچکر یک بیک ایک مہیب دھماکا ہوتا ہے۔ اور فضا دھوئیں اور گرد و غبار میں چھپ جاتی ہے چند لمحوں کے بعد ہوا دھوئیں کا نقاب اُلٹ دیتی ہے۔ اور گاڑی کے ٹکڑے اور ترکوں کی لاشوں کو ہر چہار جانب منتشر کر دیتی ہے۔ اتنے میں لارنس اور اُس کے ہمراہی پہاڑیوں سے نکل کر انہیں گھیر لیتے ہیں۔ اور جو لوگ موت سے بچ جاتے ہیں انہیں گرفتار کر لیا جاتا ہے ۔

ایک حملے کے دوران میں لارنس کی ٹڈبھیڑ جمال پاشا سے بھی ہو گئی لیکن وہ لڑ بھڑ کر نکل گیا۔ اور ترک اُسے گرفتار نہ کر سکے ۔

غرضکہ معان کے قرب و جوار اور شام کے کوہستانوں میں لارنس نے اپنی سفاکی کی بدولت شہرت حاصل کر لی۔ اور حجاز ریلوے پر آمد و رفت کا سلسلہ

منقطع ہو گیا۔ سرنگیں اڑانے اور پلوں کو تباہ کرنے کے سلسلہ میں لارنس کا نام جسقدر مشہور ہوا۔ اُس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ محاربۂ عمومی کے خاتمہ پر جب لارنس مصر سے گزر رہا تھا۔ عوام میں یہ روایت مشہور تھی کہ وہ قصر النیل[1] کو تباہ کردیگا۔ گویا عوام کے نزدیک یہ امر مسلم تھا۔ کہ اُس کا شوق تخریب و ہلاکت جنون کی حد تک جا پہنچا ہے۔ جو دوست اور دشمن کی تمیز بھی نہیں کرتا +

لارنس ارزق میں نومبر میں وہ ایلنبی کے مشورہ سے اسی طرح سرنگیں اڑاتا اور پلوں کو تباہ کرتا آگے بڑھا۔ اور ارزق کے علاقہ میں فتحمندانہ بڑھتا چلا گیا۔ یرموک کے مقام پر جہاں عہد فاروقی میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے مابین ایک فیصلہ کن لڑائی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک پل کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر ناکامی ہوئی۔ ارزق میں ایک اور ٹرین کو برباد کیا گیا۔ اس مہم میں ایک ہندوستانی مسلمان جمعدار حسن شاہ کو اُس کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ اُس کے ساتھ ہندوستانی سپاہیوں کی ایک مختصر جمعیت بھی تھی۔ جو سب کے سب مسلمان تھے۔ ان لوگوں نے ارزق کے پرانے قلعہ پر قبضہ کرکے اُسے از سرِ نو آراستہ کیا۔ اس قلعہ میں دربار لگا۔ ترک فوج کے مفرور عرب سپاہی شام کے شیوخ۔ اور شامی تحریک وطنیت کے رہنما گروہ در گروہ تحائف لے کر لارنس کے پاس پہنچے۔ قبیلہ بنی صخر جو اپنے خصائل و عادات کے اعتبار سے بہت قدامت پسند اور سخت گیر سمجھا جاتا ہے۔ پہلے ہی بغاوت میں شریک ہو چکا تھا۔ اس نئی فتحمندی نے دوسرے قبائل کے پس و پیش اور تذبذب کا بھی خاتمہ کردیا۔ اور شام کے کوہستان میں بغاوت پوری قوت سے پھیل گئی +

[1] قصر النیل مصر کے ایک مشہور پل کا نام ہے +

بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ

لارنس ازرق کے قبائل کو بغاوت میں شرکت کی دعوت دے کر عقبہ پہنچا۔ یہاں اُسے ایلنبی کا ایک مکتوب ملا جس میں لکھا تھا کہ فلسطین میں انگریزوں کو غیر معمولی کامیابی ہوئی ہے۔ اور بیت المقدس ترکوں کے قبضے سے نکل گیا ہے۔ اس مکتوب میں لارنس کو برطانی کوکبۂ جلال میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ جب ایلنبی فاتحانہ عظمت وشکوہ کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوا۔ تو لارنس اُس کے ہمرکاب تھا۔

شام کی مہم میں بعض نہایت خونریز لڑائیاں ہوئیں جن میں ترکوں کو نہایت سفاکی سے قتل کیا گیا۔ ایک معرکہ میں ہزیمت خوردہ ترکوں پر امینیوں کی ایک مسلح جماعت جا پڑی اور انہیں ایک ایک کرکے تہ تیغ کر دیا گیا۔

لارنس کے رفقا

شام کی مہم کے اس خونیں عہد میں لارنس کو خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ ترک کماندار اعظم کی جانب سے اعلان کیا جا چکا تھا کہ جو شخص لارنس کا سر لائے گا۔ اُسے بیس ہزار پونڈ کا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ قبیلہ فیض کے شیخ کا مہمان تھا۔ رات کو شیخ کے بھائی نے اُسے بیدار کرکے کہا۔ کہ تمہارے متعلق ترکوں کو اطلاع بھیجی گئی ہے۔ سلامتی چاہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ لارنس یہ سنکر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلا۔ لارنس نے اس زمانہ میں اپنے رفقائے خاص کی تعداد بڑھا دی۔ تاکہ وہ قاتلانہ حملوں کے اندیشہ سے محفوظ ہو جائے۔ اُس کے رفقا میں نہایت شجاع اور آزمودہ کار اہل قبائل شامل تھے۔ جن میں داؤد و فراج۔ راحیل اور عبداللہ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ عبداللہ قبیلۂ عویل کا ایک مشہور شہسوار تھا۔ اور چونکہ رہزنی اس کا آبائی

پیشہ تھا۔ اس لیے وہ عبداللہ قاطع الطریق کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ لارنس
کے بہت [illegible] تھے۔ اور اُسے ہر وقت گھیرے رہتے تھے +

ازرق سے لوٹتے وقت صرف راحیل اُس کے ہمراہ تھا۔ راستہ میں
قبیلہ قیقی کے چار شہسواروں نے اُس پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن لارنس نے اس موقع
پر بے حد بیباکی اور دلیری ظاہر کی حملہ آور یہ سمجھ کر کہ لارنس کے ساتھ ایک
بہت بڑی جمعیت ہے رُک گئے۔ اور وہ موقع پاکر راحیل سمیت نکل گیا +

ترکوں کے لیے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ انہیں عربوں کی عسکری
قوت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ غیر منظم اور پراگندہ قبائل کی طاقت و قوت کا اندازہ
کرنا قریباً ناممکن تھا۔ برخلاف اس کے عربوں کے لیے ترکوں کی عسکری قوت
کے متعلق اطلاعات فراہم کرنا بہت آسان تھا۔ کیونکہ ترکوں کی فوج منظم تھی۔ اور
وہ عربوں کی طرح صحرا میں پھیلے ہوئے نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں
نے عقبہ پر از سرِ نو قبضہ کرنا چاہا تو انہیں ناکامی ہوئی +

عمان و معان | عرب فوج کا ایک حصہ ابھی تک ینبوع کو عسکری مرکز مقرر کر کے
مدینہ پر حملہ کر رہا تھا۔ لارنس اسے ایک ناکام اور بے سود کوشش سمجھتا تھا۔ لیکن
فیصل کے دوسرے انگریز مشیروں کے نزدیک مدینہ پر ہجوم ضروری تھا۔ مولود
جو اپنی عسکری قابلیت کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتا تھا معان پر پے درپے حملے
کر رہا تھا۔ لارنس کی خواہش تھی کہ معان فتح ہو جائے۔ تو عرب فوج ایلنبی کے لشکر
کے ساتھ مل کر دمشق پر حملہ کرے لیکن یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ اُدھر
طفیلہ میں زید نے ترکوں سے شکست کھائی۔ اور اِدھر ایلنبی کو جو عمان پر یورش کر رہا

تھا۔ ہزیمت اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ عربوں کو انگریزوں کی غیر معمولی قوت پر اس قدر اعتماد تھا۔ کہ جب الینبی کے پسپا ہونے کی خبر پہنچی تو کسی نے یقین نہیں کیا[لے]*

لارنس بادیہ گرد عورتوں کے بھیس میں

عمان سے انگریزی فوجوں کی پسپائی کے بعد ایک دن لارنس اس شہر میں جا پہنچا۔ اس نے اس موقع پر بادیہ گرد عورتوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا رفیق خاص فراج بھی اسی لباس میں اس کے ہمراہ تھا اتفاق یہ کہ اس کے زنانہ لباس نے چند ترک سپاہیوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اور وہ افشائے راز کے اندیشہ سے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا۔ لیکن اس مختصر عرصہ میں وہ عمان کے استحکامات کا معائنہ بدقت نظر کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے طویل غور و فکر کے بعد فیصلہ کر لیا کہ اس مستحکم اور نا قابل تسخیر مقام پر حملہ و ہجوم کی ناکام کوشش کر کے اپنی عسکری قوت کو ضائع نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگرچہ عربوں نے عمان کے شمال کی جانب ریلوے لائن کو بالکل تباہ کر کے محافظ فوج کا تعلق ترک عساکر سے منقطع کر دیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس شہر کی تسخیر میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اور عمان میں ترک عساکر کا اجتماع ہو رہا تھا۔ اور یہ اندیشہ تھا کہ وہ معان کے قرب و جوار سے ترکوں کو ہٹا دیں گے۔ لارنس نے یہ مناسب سمجھا کہ اکھا میں پھر ریلوے لائن کو تباہ

لے رابرٹ گریوز لکھتا ہے: "کہ لارنس نے عربوں کے قلب پر برطانیہ کی عظمت و کبریائی کا نقش راسخ کرنے میں بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ انہیں یقین دلا دیا گیا تھا۔ کہ انگریز کسی معرکہ میں ناکام نہیں ہوتے۔ شریف حسین بھی علی العموم اپنے رفقا کو اکثر یہی یقین دلایا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شاہی اعلان نافذ کیا تھا جس کا آغاز انگریزوں کی سطوت و شوکت کے اس اعتراف سے ہوتا تھا "یا ایہا المومنین! تمہاری حکومت (برطانیہ) کے پاس بے شمار ہتھیار رکھے ہیں"*

کرکے ترکوں کے حملہ کی راہ میں دشواریاں پیدا کی جائیں۔ یہ خدمت ناصر کے سپرد کی گئی۔ لارنس نے انہیں دنوں ایلنبی سے ملاقات کرکے یہ تجویز پیش کی کہ درآعہ پر حملہ کیا جائے۔ اگر یہ مقام قبضہ میں آگیا۔ تو ترک دمشق حیفہ اور شمالی فلسطین سے بھی عمان و معان کے محصورین کو کوئی کمک نہ بھیج سکیں گے۔ ایلنبی نے حملہ کے لئے دو ہزار سواری کے اونٹ دیئے۔ اور درآعہ پر یورش کی تیاریاں ہونے لگیں لارنس تو چاہتا تھا کہ مدینہ کی محاصر فوج بھی درآعہ کے حملہ میں شرکت کرے۔ اور شریف حسین خود اس حملہ میں کمانڈر اعظم کی حیثیت سے شریک ہو لیکن حسین کی عافیت پسندی میدان کارزار کی دشواریاں کب گوارا کر سکتی تھی۔ وہ اپنے حریم امن سے باہر نہ نکلا۔ اور درآعہ کے معرکہ کو بھی فیصل اور لارنس کے تدبر پر چھوڑ دیا گیا +

حملہ کی تیاریاں | درآعہ پر حملہ کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کی گئیں۔ ازرق میں قبائل کا سیلاب امڈ آیا۔ میجر ینگسٹن کے ماتحت انگریز سپاہیوں کی ایک مختصر جمعیت بھی اس مہم میں شریک تھی۔ اور گورکھا سپاہیوں کا ایک دستہ بھی تھا۔ جنہوں نے عمان کے شمال میں ریلوے لائن کو تباہ کرکے درآعہ کا پیوند اس سے منقطع کر دیا۔ انگریزوں نے مسلح موٹریں اور طیارے بھی بھیجے۔ فیصل ایک ہزار شتر سواروں کی فوج لے کر آیا۔ عودہ ابن طائی اپنے رفقا کے ساتھ پہنچا۔ فرانسیسی سپاہیوں کا ایک دستہ آکر شریک ہوا۔ پھر سرحد عراق کے قبائل کا امیر شیخ نوری جمعیت کثیر کے ساتھ آیا۔ بنی صخر کے شجاع عرب جو شہسواری اور سپہ گری میں بے نظیر سمجھے جاتے ہیں بڑے سامان کے ساتھ آئے۔ فرزندان دُروز بھی اپنے خاص نشان اڑاتے پہنچے۔ ان کے علاوہ لارنس اور راس کے رفقا بھی تھے جن میں شام و عراق کے اکثر

مشہور شہسوار اور سپاہی شامل تھے +

عربوں کا یہ سارا اجتماع اس یقین و اعتماد کے ساتھ تھا۔ کہ شام پر آن کا علم لہرائے گا۔ اور امیر نوری جو پہلے بھی اپنے شکوک ظاہر کر چکا تھا۔ لارنس کے پاس آیا اور اس سے کہا۔ کہ برطانیہ نے شام اور فلسطین کے متعلق مختلف معاہدے کر رکھے ہیں۔ ایک معاہدہ کا مفہوم یہ ہے۔ کہ "مفتوحہ علاقہ کو فرانس روس اور برطانیہ آپس میں تقسیم کر لیں گے" ایک معاہدہ کا مفاد یہ ہے۔ کہ "فلسطین کو صیہونیاں عالم کا مرکز بنا دیا جائے گا" ایک معاہدہ یہ ہے۔ کہ "عرب جس علاقہ کو اپنی قوت بازو سے فتح کریں گے۔ وہ انہیں کے زیر نگیں رہے گا" یہ معاہدے بے حد متضاد و متبائن ہیں۔ ہم ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کریں؟ لارنس نے جواب دیا کہ "آخری معاہدہ وہ ہے۔ جو عربوں سے کیا گیا ہے۔ اس لئے باقی تمام معاہدوں کو منسوخ تصور کرنا چاہئے" لارنس کے اس جواب نے امیر نوری کو مطمئن کر دیا۔ لیکن لارنس یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ ان وعدوں کے ایفا کی نوبت کبھی نہیں آئیگی +

لطف یہ ہے کہ عین اس زمانہ میں جبکہ اتحادی عربوں کی تحریک حریت سے غیر معمولی شغف و انہماک ظاہر کر رہے تھے۔ دوسری جانب ترک ارباب سیاست کے قدامت پسند گروہ سے جو جدید عقاید کو قومی ترقی کے حق میں سم قاتل سمجھتا تھا۔ مصالحت کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔ یہ گروہ اپنی فرسودہ خیالی کے باعث نوجوان ترکوں کے اس عقیدہ کو نا پسند کرتا تھا۔ کہ ہر قوم کو خود اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اس لئے آئے کبھی

گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ کہ عرب اپنی خود مختار سلطنت قائم کریں۔ اگر اس گفت و شنید کا نتیجہ یہ ہوتا کہ برطانیہ کو مشرق میں چند مراعات حاصل ہوجائیں۔ تو یقیناً اُسی زمانہ میں ترکوں سے صلح ہوجاتی۔ اور انگریزوں کو عربوں کی اعانت سے دست کش ہوجانا پڑتا۔ لارنس نے اس زمانہ میں فیصل کو مشورہ دیا۔ کہ انجمن اتحاد و ترقی کے نوجوان ارکان سے گفتگو کی جائے۔ تاکہ اگر ترک سیاسئین کے قدامت پسند گروہ سے کوئی مفاہمت نہ ہوسکے تو ترکان احرار کو حریت کے نام پر مجبور کیا جائے۔ کہ وہ شام پر عربوں کی سیادت تسلیم کرلیں +

تیرھواں باب
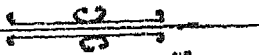
تسخیر دراعہ

دراعہ پر یورش کے آغاز میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے عربوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور اگر لارنس کی غیر معمولی ذہانت آڑے نہ آجاتی تو اغلب تھا کہ بغاوت عرب کامیابی کے اس قدر مراحل طے کرنے کے باوجود ناکام ہوتی۔

باغیوں کی جمعیت مختلف افکار و عقائد کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ اور ہر شخص اپنے جداگانہ مقصد کے پیش نظر بغاوت میں شریک ہوا تھا۔ مثلاً شریف حسین کا مقصد یہ تھا کہ ایک وسیع عرب سلطنت قایم کی جائے جس میں شام اور فلسطین بھی شامل ہوں۔ اور اس کی عنان حکومت شریف کے قبضہ میں ہو۔ جعفر پاشا۔ نوری پاشا۔ اور مولود وغیرہ شامی عرب یہ چاہتے تھے۔ کہ شام میں ایک آزاد سلطنت قایم کریں۔ ان کے علاوہ بعض قبائل ایسے بھی تھے۔ جنہیں نہ تو شریف حسین کے مقاصد سے ہمدردی تھی۔ اور نہ شامیوں کے افکار سے کوئی سروکار۔ بلکہ محض مال غنیمت کی طمع انہیں عرصۂ کارزار میں کھینچ لائی تھی۔

حسین جیسے شامیوں کے عقاید کا علم تھا۔ اکثر اوقات اپنی قوت و

اختیار کا اعلان کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب اُس نے سُنا کہ جعفر پاشا کو عام طور پر کمانڈر اعظم کہا جاتا ہے۔ تو اُسے بہت ناگوار گذرا۔ اُس نے ایک فرمان نافذ کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جعفر کی حیثیت ایک کپتان سے زیادہ نہیں۔ کوئی شخص اُسے کمانڈر اعظم نہ کہے۔ اس فرمان نے شامی عربوں میں اضطراب برپا کر دیا۔ جعفر پاشا مولود اور دوسرے کار آزمودہ شامی افسر فوراً مستعفی ہو گئے۔ فیصل نے یہ کیفیت دیکھی تو اُس نے بھی احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا۔ لیکن حسین پر فیصل کے استعفیٰ نے بھی کوئی اثر نہیں کیا۔ اور اُس نے زید کو لکھا کہ فیصل سے چارج لے کر اُسے سبکدوش کر دو +

لارنس کے لئے یہ ایک عجیب کشمکش کا موقع تھا۔ وہ حسین کے اس فرمان کی چنداں پروانہ کرتا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ دراعہ پر یورش کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ایسے موقع پر شامیوں کا حملے میں شرکت سے انکار کر دینا۔ اور فوج کی عنان قیادت کا فیصل کے ہاتھوں سے نکل کر زید کے ناتجربہ کار ہاتھوں میں چلا جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ انہیں اس مہم کی کامیابی کی کوئی اُمید نہیں رکھنا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے الینبی اور مصر کے ہائی کمشنر[1] سے رجوع کیا۔ اُن کی فہمائش کا اتنا اثر ہوا۔ کہ شریف نے ایک برقی پیغام بھیجا جس کے پہلے حصہ میں اس واقعہ پر اظہار افسوس

---

[1] مصر کا ہائی کمشنر سر ہنری میکماہن تھا۔ اسی نے حسین کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اور اسی کے توسط سے حسین کو روپیہ ملتا تھا۔ شریف حسین کو اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے اور اپنی ذاتی اور فوجی قوت قایم کرنے کی امداد میں فروری ۱۹۲۰ء تک بارہ لاکھ گنی یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ روپیہ دیا گیا +

کیا گیا تھا۔ لیکن دوسرے حصہ میں پھر یہ الفاظ دہرائے گئے تھے۔ کہ "جعفر پاشا کی حیثیت ایک معمولی کپتان سے زیادہ نہیں"۔ لارنس نے یہ چال چلی کہ فیصل اور جعفر کو اس تار کا صرف پہلا حصہ دکھایا۔ اس طرح وہ بے اطمینانی جس نے فوج میں بغاوت کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔ دور ہو گئی۔ اور درآعہ پر حملہ و ہجوم کی تیاریاں ہونے لگیں۔

قتل عام | لارنس نے درآعہ پر یورش کے زمانہ میں غیر معمولی جنگی قابلیت کا ثبوت دیا۔ اس نے عمان کو بظاہر اپنا مرکز توجہ ظاہر کر کے ترکوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ کہ عرب عمان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ترک عمان کے استحکام میں مصروف تھے۔ اور ادھر ازرق میں عربوں کا اجتماع ہو رہا تھا۔ ۱۲ ستمبر کو تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پہلے ریلوے لائن کو تباہ کر کے عمان۔ معان۔ مدینہ۔ ناصرہ اور وادی اردن کے ترک عساکر کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد درآعہ کے قرب و جوار میں چھوٹے چھوٹے معرکے ہونے لگے۔ یرموک کا پل جس پر لارنس پہلے بھی ناکام حملہ کر چکا تھا۔ ڈائنامیٹ سے اڑا دیا گیا۔ اس کے پاس ہی ترکوں کی چوکی تھی۔ انہوں نے بکمال شجاعت و مردانگی مقابلہ کیا۔ لیکن عرب ہر گوشہ سے سیلاب کی طرح امنڈ پڑے۔ اور ترکوں کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ حوران کے دہقان قتل و غارت میں سب سے پیش پیش تھے۔ بچے۔ بوڑھے۔ عورتیں سب اس قتل عام میں حصہ لے رہے تھے۔ غارتگری کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو چوکی پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھ کر دور دور سے عرب باغی کھنچ کر پہنچ گئے۔

عربوں کی پے در پے کامیابیوں نے درآعہ کے حکام کو خائف کر دیا۔ ان

میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ مردوں کی طرح میدان کارزار میں کٹ مرتے۔ اس لئے وہ لارنس کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ ہم شہر کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ آپ بے غل وغش قبضہ کر لیجئے۔ لارنس نے سوچا کہ اگر ایلنبی نے شکست کھائی۔ تو دراعہ پھر ہاتھ سے نکل جائے گا اس لئے مصلحت یہی ہے کہ ابھی دراعہ پر قبضہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے یہ درخواست قبول نہ کی ✦

یرموک کے پُل کے بعد تل الشہاب کے پُل کی باری آئی۔ اس پُل کی محافظ فوج کا کپتان نسلاً ارمنی تھا۔ اُس نے لارنس سے وعدہ کیا۔ کہ میں بآسانی تل الشہاب پر آپ کا قبضہ کرا دوں گا۔ صلاح یہ قرار پائی۔ کہ ارمنی کپتان چار عربوں کو اپنے ساتھ لے جائے۔ اور اُنہیں اپنے کمرے میں چھپا رکھے۔ پھر اپنے ماتحت افسروں کو ایک ایک کر کے بلائے اور چاروں عرب کمینگاہ سے نکل کر ان کی مشکیں کس لیں۔ تجویز تو خوب تھی لیکن عین وقت پر ایک جرمن کرنیل کی سرکردگی میں ترکوں کا ایک دستہ پہنچ گیا۔ جس نے ارمنی کپتان کو غداری کے جرم میں گرفتار کر لیا ✦

لارنس اور اُس کے رفقا دراعہ کے قرب وجوار میں مصروف کارزار تھے۔ تنے میں اطلاع ملی کہ ایلنبی کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس خبر کے پہنچتے ہی دراعہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ ہندوستانی سپاہی دراعہ پر بڑھیں۔ آسٹریلیا کی فوج حوران پر حملہ کرے۔ اور نیوزی لینڈ والے عمان کو مرکز ہجوم بنالیں۔ پھر نیوزیلینڈ کے سپاہی تو عمان کی حفاظت کریں۔ اور باقی دونوں فوجیں دمشق پر حملہ آور ہوں ✦

عربوں کی سقائی | نیلس بیسان حیفہ وغیرہ مقامات سے ایلنبی کے حملے نے ترکوں کو

نکال دیا تھا۔ جو ترک آسٹرین اور جرمن سپاہی پسپا ہوئے تھے۔ انہیں لارنس اور اُس کے رفقا یا تو قتل کر ڈالتے تھے۔ اور یا انہیں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ یہ حکم عام تھا کہ ہزیمت خوردہ ترکوں میں سے ایک بھی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ جس رات یہ اطلاع ملی۔ کہ بلغاریہ نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ حوران کی ساری آبادی ترکوں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور انہیں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا گیا۔ ترک فوج کے دو دستے جن میں ایک چار ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اور دوسرے میں دو ہزار سپاہی تھے۔ شیخ سعد کی جانب پسپا ہو رہے تھے۔ لارنس نے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔ انہوں نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن ہر گوشہ سے عرب مور و ملخ کی طرح پیدا ہو رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری کائنات ترکوں سے آمادۂ پیکار ہے۔ چنانچہ وہ سب کے سب کٹ مرے۔ مجروح ترکوں پر بھی رحم نہیں کیا گیا۔ اور انہیں نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالا گیا۔ درآعہ کی ترک پولیس کے سپاہیوں کو جنہوں نے حوران کے باغیوں کو سزا دی تھی۔ ریت پر گھسیٹا گیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں دینے کے بعد قتل کیا گیا۔ لارنس نے اس موقع پر کہا تھا۔ "میرے نزدیک وہی شخص مہذب ترین ہے جو سب سے زیادہ ترکوں کی لاشیں میرے پاس لائے۔[1]"

ترک۔ آسٹرین۔ جرمن سب کے سب نہایت شجاعت سے لڑے۔ لارنس کا حکم تھا۔ کہ "کسی کو گرفتار نہ کرو۔ سب کو قتل کر ڈالو" لیکن عربوں کے ایک دستہ کو یہ اطلاع نہیں ملی تھی۔ اور انہوں نے دو سو ترکوں کو گرفتار کر لیا تھا جب وہ قیدیوں

---

[1] "لارنس اور عربیا" مصنفہ رابرٹ گریوز۔ صفحہ ۳۶۶

کو لے کر لارنس کے پاس پہنچے۔ تو یکایک ایک عرب جسے ترکوں نے مجروح کیا تھا۔ چیخ اُٹھا۔ سب کی نگاہیں اُس کی جانب پلٹ گئیں۔ اور ایک شخص نے پوچھا "حسن تمہیں کس نے مجروح کیا"؟ اُس نے ترک اسیروں کی جانب اشارہ کیا اپنے ایک ہمراہی کو مجروح دیکھ کر عرب اس قدر برافروختہ ہوئے کہ اُنہوں نے سارے قیدیوں کو قتل کر ڈالا ÷

غرضکہ اس قدر خونریزی کے بعد درآعہ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۸ء کو فتح ہوا۔ جنرل بیرو جسے درآعہ پر حملہ کا حکم دیا گیا تھا۔ اُس وقت پہنچا۔ جب کہ عرب شہر پر قبضہ کر چکے تھے ÷

چودھواں باب

فتح دمشق

دوسرے دن لارنس موٹر میں بیٹھ کر دمشق[1] پہنچا۔ بقیۃ السیف ترک ابھی تک جا بجا لڑ رہے تھے۔ جرمنوں کا ایک دستہ آگ کے دریا میں شناوری کر رہا تھا۔ لیکن اُن میں کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ جب افسر حکم دیتا تھا۔ پلٹ کر فیر کرتے تھے اور بڑھتے چلے جاتے تھے۔ انگریز مورخوں کو بھی ترکوں اور جرمنوں کی بے مثل شجاعت کا اعتراف ہے ؁

ہنگامہ کارزار زیادہ دیر تک گرم نہیں رہا۔ تھوڑی دیر میں ہر چہار جانب ترکوں اور جرمنوں کی لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسان کی درندگی کا ہولناک منظر دکھائی دیتا تھا۔ دمشق کا گورنر علی رضا ترکوں کے خلاف سازش میں شریک تھا۔ اور دمشق کی مجلس وطنیہ کی صدارت بھی اُسی کے سپرد تھی۔ لارنس نے ایک سوار کو اُس کے پاس دوڑایا۔ کہ شہر پر عربوں کا علم نصب کر دے۔ علی رضا[2]

[1] دمشق سنہ ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء میں بعہد حکومت حضرت خلیفہ ثانی مسلمانوں کے حیطۂ اقتدار میں آیا اور ۱۹۱۸ء میں تیرہ سو سال کے بعد پھر نصاریٰ کے قبضہ میں چلا گیا ۔ [2] حاشیہ بر صفحہ ۸۰

اُس وقت ترکوں کے ایک ہزیمت خوردہ دستے کی کمان کر رہا تھا۔ اس کے نائب شکری نے ٹون ہال پر عربی عَلم نصب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ لارنس جب رولز رائس موٹر میں بیٹھ کر ایک فاتح کی حیثیت سے دمشق میں داخل ہوا۔ تو اہل دمشق دو رویہ صفیں باندھے کھڑے تھے۔ ٹون ہال کے قریب شامی عربوں کا ہجوم تھا۔ جو والہانہ رقص سے اپنی آزادی کا اعلان کر رہے تھے۔ اس سارے مجمع میں لارنس یا اُس کے انگریز رفقا ہی جانتے تھے۔ کہ شامیوں کی آزادی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا ✦

لارنس نے اپنی کتاب "ہفت ستون دانش"[1] کے خاتمہ پر لکھا ہے۔ کہ میں فتح دمشق کے بعد اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھا تھا۔ کہ یکایک موذن نے اذان دی۔ اس نے اذان کے خاتمہ پر کہا کہ "اے اہل دمشق آج خدا نے ہم پر بہت کرم کیا۔" یہ واقعہ نقل کر کے وہ لکھتا ہے کہ ان لاکھوں نفوس میں صرف میں اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ موذن کا اظہار مسرت بے معنی ہے۔ لارنس آغاز سے یہ جانتا تھا۔ کہ اتحادی شام پر کبھی عربوں کی سیادت تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن وہ انہیں ہمیشہ یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا۔ کہ عراق، شام اور فلسطین پر ان کا علم لہرائے گا [?]۔ اس لئے اس کا یہ اظہار ندامت، اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کی ایک بے سود کوشش ہے ✦

(حاشیہ صفحہ ۷۹) یہ عجیب بات ہے کہ ترک سپاہی جتنے شجاع اور بہادر ہوتے ہیں۔ اُنکے افسر اُتنے ہی غدار اور بزدل۔ ترک فوج کے جن افسروں نے سازش میں شریف حسین اور انگریزوں کا ساتھ دیا اُنکی فہرست بہت طویل ہے ✦

[1] "سیون پلرز آف وزڈم"

عبدالقادر الجزائری اتحادیوں کی فریب کاری کا احساس سب سے پہلے عبدالقادر[۱]
الجزائری کو ہوا۔ یہ شخص مشہور اسلامی مجاہد امیر عبدالقادر الجزائری کا پوتا تھا چنانچہ
اُس نے دمشق میں اتحادیوں کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ چند غیور دروزی بھی
اُس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ لارنس کو اطلاع ملی تو اُس نے شہر کے شمالی
حصہ میں فوج پھیلا دی جس نے عبدالقادر کو پسپا کر دیا۔ عبدالقادر اور دروزی
بھاگ نکلے۔ اور دوپہر ہوتے ہوتے شہر میں امن ہو گیا۔

علی رضا واپس آ گیا۔ اور اُسے دمشق کا گورنر بنا دیا گیا۔ دوسرے دن
ایلنبی بھی پہنچ گیا۔ فیصل درآعہ سے اپنے رفقا سمیت پہنچا۔ لوگوں نے اُس کا
نہایت شاندار استقبال کیا۔ یہاں ایلنبی اور فیصل کی ملاقات ہوئی۔ لارنس
اس موقع پر ترجمان کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

دوسرے دن لارنس نے رخصت طلب کی۔ ایلنبی تو نہیں مانتا تھا لیکن
جب لارنس نے سمجھایا۔ کہ میرا یہاں سے چلا جانا ہی قرینِ مصلحت ہے۔ تو وہ مان
گیا۔ لارنس جانتا تھا کہ موجودہ نظامِ حکومت عارضی اور ناپائدار ہے آج یہاں عربی
علم لہراتا نظر آ رہا ہے۔ کل وہاں فرانسیسی پرچم بلند دکھائی دیگا۔ اُس وقت میں
عربوں کو کیا جواب دوں گا؟ چنانچہ وہ اپنے عرب دوستوں سے رخصت ہوا۔ دوسرے
سال جب عربوں کی ساری اُمیدیں پامال کر دی گئیں تو تنہیں لارنس کے دلفریب

---

[۱] عبدالقادر نے پہلے بھی کئی مرتبہ لارنس کو ہلک دیا تھا۔ اس واقعہ سے ایک دو روز پہلے
دمشق کے ایوان حکومت میں ایک مختصر بزم مشاورت منعقد تھی۔ عبدالقادر بھی شریک صحبت
تھا۔ باتیں کرتے کرتے یکایک وہ خنجر ہاتھ میں لئے لارنس پر حملہ آور ہوا۔ لیکن عودہ ابن ابوطائی نے اُسے فوراً روک لیا

وعدے یاد آ گئے۔ اُنہیں توقع تھی کہ لارنس کسی دن[1] واپس آکر ہمیں فرانسیسیوں کی غلامی سے نجات دے گا۔ آخر ان کا پیمانۂ شباب چھلک گیا۔ چند سال کے بعد ہی فرزندانِ دروز نے فرانسیسیوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کر دیا۔ فرانسیسیوں نے شامیوں پر جو ظلم توڑے اُن کی خونیں داستان گھر گھر مشہور ہے۔ حوران ازرق۔ لبنان میں جہاں ترکوں نے خاک اور خون میں لوٹ کر حسین شہید علیہ السلام کی سنت پارینہ کی تجدید کی تھی۔ شامیوں کا خون بہایا گیا۔ شاید یہ ترکوں کے خون کا انتقام تھا۔ جو غدار شامیوں سے لیا گیا۔

[1] رابرٹ گریوز لکھتا ہے کہ سال بھر تک تو یہ کیفیت رہی کہ جب کوئی برطانی طیارہ دمشق یا اس کے گرد و نواح میں اُترتا تھا تو عرب یہ سمجھ کر کہ لارنس واپس آ گیا ہے بیتابانہ دوڑ کر اُسے گھیر لیتے تھے۔

پندرھواں باب

مجلسِ صلح

لارنس لندن پہنچا۔ تو مشرق و مغرب میں امن و امان ہو چکا تھا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو دنیا بھر میں جشن صلح منایا گیا۔ لارنس اس موقع پر لندن میں تھا لیکن جنگ کی ہنگامہ آفرینیوں کے بعد اُسے وطن میں امن و سکون کے دن بسر کرنا نصیب نہ ہوئے تھوڑے دن ہی گذرے تھے کہ فیصل بھی لندن پہنچ گیا۔ اور لارنس اُس کے ساتھ برطانی وفد کے ایک رُکن کی حیثیت سے پیرس کی مجلس صلح میں شرکت کی غرض سے روانہ ہو گیا +

عرب میں لارنس کو فولادی تلوار سے کام لینا پڑا تھا۔ پیرس میں دلائل کی تلوار سے کام لینا پڑا۔ مجلس صلح میں دنیا بھر کے مدبّر موجود تھے۔ ولسن۔ لائڈ جارج۔ کلیمنشو۔ ماکینو۔ سونینو[۵۲] وغیرہ نے نہایت فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ لارنس

[۵۲] سنیور سونینو اطالیہ کا نمائندہ تھا +

نے دلائل وبراہین کے اس معرکہ میں طلاقت لسانی کے وہ جوہر دکھائے۔ کہ بڑے بڑے مدبّر عش عش کر اُٹھے ۔

شریف چاہتا تھا کہ اس تمام علاقہ پر جس کی زبان عربی ہے۔ اُس کی ملکیت تسلیم کر لی جائے۔ اور وہ مکّہ معظّہ کو صدر مقام قرار دے کر ایک وسیع سلطنت پر حکمرانی کرے۔ جس میں عراق فلسطین اور شام شامل ہوں۔ اُدھر فیصل کی صرف یہ خواہش تھی کہ اُسے شام کا بادشاہ بنادیا جائے۔ شریف حسین کا مطالبہ تو اتحادیوں کے لئے کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی، کہ فرانسیسی فیصل کو بھی شام کا بادشاہ تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جب تک جنگ جاری رہی۔ لارنس نے شریف حسین کو ہمیشہ یہ یقین دلایا۔ کہ اُسے سارے عربستان کا مطلق العنان فرمانروا تسلیم کر لیا جائے گا۔ فیصل سے یہ کہا جاتا رہا کہ شام اُس کے زیر نگین ہوگا۔ اور شامی عربوں سے یہ وعدہ کیا جاتا رہا۔ کہ انہیں شریف حسین اور فیصل سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ اُن کے ملک کی عنان حکومت انہیں کے قبضہ میں رہے گی۔ لیکن مجلس صلح میں صاف آنکھیں پھیر لی گئیں اور نہ تو شریف حسین کی خواہش پوری ہوئی۔ نہ فیصل کی اُمید بر آئی اور نہ شامی وطن پرستوں کے جذبات کا احترام کیا گیا ۔

ایک فرانسیسی نمائندہ دُور کی کوڑی لایا۔ اُس نے ایک نہایت فصیح تقریر میں کہا۔ کہ شام پر تو فرانسیسوں کا پُرانا حق ہے۔ یاد نہ ہو تو حروب صلیبیہ کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ لارنس نے جو فیصل کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا تھا۔ برجستہ جواب دیا کہ صاحب۔ یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ حروب صلیبیہ میں کون فتحمند ہوا تھا۔

عرب یا فرانسیسی +

غداری کا صلہ | آخر بڑی دشواری سے فیصل اور فرانسیسی مدبر کلیمنشو میں مفاہمت ہوئی اور یہ قرار پایا کہ بیروت اور لبنان تو فرانس کے قبضہ میں رہیں۔ اور ملک کے اندرونی حصہ میں فیصل فرانسیسوں کی مدد سے حکومت کرے۔ لیکن فرانس اس عہد پر بھی قائم نہ رہا۔ اور کلیمنشو کے مستعفی ہونے کے بعد اُس کی حکمت عملی میں بھی تغیر واقع ہوگیا۔ فیصل دمشق سے نکال دیا گیا۔ وہ بہت عرصہ تک فلسطین۔ اطالیہ اور انگلستان میں گلیوں کی خاک چھانتا پھرا۔ اور جب تمام دروازے بند پائے تو مایوس ہوکر مکہ معظمہ چلا گیا۔ آخر بڑی مشکلوں سے اُسے عراق کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اور وہ برطانی ہائی کمشنر سر پرسی کاکس کی مدد سے بغداد میں تخت نشین ہوا +

اس طرح شام فرانس کے قبضہ میں رہا۔ عراق پر فیصل متصرف ہوگیا۔ اب فلسطین رہ گیا تھا۔ لیکن اس سرزمین میں بھی عربوں کے خاص حقوق تسلیم نہیں کیے گئے۔ بلکہ اسے یہودیوں کا مرکز بنا دیا گیا۔ اور دنیا کے مختلف اطراف و اکناف سے یہودی ہجرت کرکے وہاں پہنچنے لگے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج فلسطین میں یہودی اور مسلمان باہم دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ اور انگریز باطمینان تمام حکومت کر رہے ہیں +

لیکن انگریزوں اور فرانسیسوں کی مستعمرانہ حکمت عملی کے نتائج بھی اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ شام میں دروز کے شجاع اور غیور فرزندوں نے علم جہاد بلند کردیا۔ فلسطین میں یہودی انگریزوں کی شہ پاکر عربوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرصہ تک فلسطین و شام میں خونریزی ہوتی رہی۔ آج جبکہ یہ سطور

لکھی جا رہی ہیں۔ عربستان میں اضطراب برپا ہے۔ اور تمام عرب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ انہوں نے اتحادیوں کی مدد کرنے میں شاید غلطی کی تھی۔ اس وقت عراق حجاز۔ نجد۔ شرق اردن۔ شام اور فلسطین میں بظاہر امن ہے۔ لیکن دراصل عربوں کی روح مضطرب ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ اس خاک سے پھر جنگ و پیکار کے شعلے بھڑک اٹھیں ⁂

انگریزوں کی نگاہیں اس وقت مملکت نجد و حجاز کے فرمانروا سلطان ابن سعود پر لگی ہوئی ہیں۔ کیونکہ برطانی ارباب سیاست یہ محسوس کر رہے ہیں۔ کہ سلطان اتحاد عربستان کے حامی ہیں۔ اور اُن کا منتہائے نظر بھی یہی ہے۔ کہ ایشیا اور افریقہ کے جن علاقوں میں عربی بولی جاتی ہے۔ اُس کی ایک دولت مشترکہ قایم کی جائے ⁂

کہا جاتا ہے کہ لارنس اتحادیوں کی اس بے اعتنائی سے بیحد متاثر ہوا اور اُس نے بھی صلح کے بعد اپنے تمام تمغے اس پیغام کے ساتھ محکمۂ جنگ میں بھیج دیئے کہ "میں عربوں سے ایفائے عہد نہیں کر سکا۔ اس لئے میں ان تمغوں کا مستحق نہیں" اور جب حضور ملک معظم نے اُسے شرف باریابی بخشا۔ تو اُس نے اُن تمام بے انصافیوں کا ذکر کر دیا۔ جو عربوں کے ساتھ کی گئی تھیں۔ لارنس کے تمام سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ اس واقعہ نے لارنس کی ساری زندگی تلخ کر دی اور یہی وجہ ہے کہ وہ بغاوت عرب کے بعد عزلت اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اس افسانہ میں صداقت کا عنصر کس قدر ہے ⁂

سولھواں باب

"شا" اور کرم شاہ

بغاوت عرب کے بعد لارنس کے جذبات افسردہ ہو گئے۔ اور اُس نے نہایت خاموش زندگی اختیار کر لی۔ شاید لارنس کے سوانح نگاروں نے اس عہد کے واقعات کو زیادہ قابل التفات نہیں سمجھا۔ ورنہ ظاہر ہے۔ کہ ایک شخص جسے صدائے چنگ و رباب کی بجائے تلواروں کی جھنکار میں لطف آتا ہو۔ اس طرح گوشۂ عزلت میں نہیں بیٹھ سکتا۔ کہ بیرونی دنیا سے اس کا تعلق بالکل منقطع ہو جائے +

لارنس صیغہ پرواز میں | لارنس نے ۱۹۱۹ء کے بعد "ریولٹ ان دی ڈیزرٹ" اور "سیون پلرز آف وزڈم" کے نام سے دو کتابیں لکھیں جو بے حد مقبول ہوئیں گویا اُس نے اپنی زندگی کے یہ تین سال علمی مشاغل کے نذر کر دیئے۔ اور اگست ۱۹۲۲ء میں جب اُس کی طبیعت تصنیف و تالیف کے مشغلہ سے اُکتا گئی تو وہ صیغۂ پرواز میں "شا" کے نام سے شامل ہو گیا۔ اُس نے ابھی اس مشغلہ میں بمشکل چھ ماہ بسر کئے تھے کہ دفعتہً یہ راز کھل گیا۔ کہ لوگ جس شخص "شا" کو

کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ درحقیقت بغاوت عرب کا سالار اعظم کرنل لارنس ہے ۔ اخبارات میں کرنل لارنس کی اس پُراسرار عزلت گزینی کے متعلق طویل مضامین لکھے گئے۔ کیونکہ جن لوگوں کو اس کے کارناموں کا علم تھا۔ ان کے لئے اس امر پر یقین کرنا دشوار تھا۔ کہ لارنس کسی خاص مقصد کے بغیر صیغہ پرواز میں ایک کلرک کی حیثیت سے شامل ہو سکتا ہے ۔ وزیر صیغہ پرواز کو اندیشہ ہوا۔ کہ معاملہ بڑھا۔ تو پارلیمنٹ میں سوالات کئے جائیں گے ۔ اور یہ شبہ کیا جائے گا۔ کہ صیغہ پرواز میں لارنس کی شمولیت کسی پُراسرار مقصد کے ماتحت ہے چنانچہ اُس نے فروری ۱۹۲۳ء میں لارنس کو علیحدہ کر دیا ۔

اس کے بعد لارنس نے ٹینک کارپس میں ملازمت حاصل کر لی۔ دو سال اسی صیغہ میں رہا۔ یہ زمانہ ڈورچسٹر میں بسر ہوا۔ اور اُس نے اپنی کتاب "سیون پلرز آف وزڈم" کی تکمیل یہیں کی ۔

پھر صیغہ پرواز میں لارنس اپنے موجودہ مشغلہ سے مطمئن نہیں تھا۔ اُس نے پھر صیغہ پرواز میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ اُس کے ایک دوست نے جو انگلستان میں خاص اثر و رسوخ رکھتا تھا وزیر اعظم سے سفارش کی ۔ اور لارنس کو پھر صیغہ پرواز میں منتقل کر دیا گیا لیکن اس مرتبہ اسے انگلستان میں نہیں رہنے دیا گیا۔ بلکہ پہلے کراچی میں۔ اور پھر سرحد افغانستان کے ایک غیر معروف مقام میراں شاہ میں بھیج دیا گیا ۔

صیغہ پرواز میں اس کے تقرر کے متعلق بہت اخفا سے کام لیا گیا۔ اس کے رفقا میں سے بھی کسی کو علم نہیں تھا۔ کہ یہ شخص کون ہے ؟ جب ڈورچسٹر میں

یہ خبر مشہور ہوئی۔ کہ کرنل لارنس آج کل یہاں ہے تو اُس کے رفقا اُس کے خط و خال سے چہروں اس تصویر سے مقابلہ کرتے رہتے تھے جو بغاوت عرب کے زمانے میں بعض اخبارات میں شایع ہوئی تھی لیکن بہت تلاش و جستجو اور تحقیق و تدقیق کے بعد بھی وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ کہ "شاہ" اور کرنل لارنس میں کوئی نسبت ہے +

پیر کرم شاہ لارنس جن دنوں میراں شاہ میں تھا۔ امرتسر میں ایک پُراسرار شخص نمودار ہوا جس کی گربجی آنکھوں اور سنہری بالوں نے لوگوں کے ذہن میں یہ شبہہ پیدا کر دیا۔ کہ وہ کوئی افرنجی الاصل شخص ہے۔ وہ اپنا نام کرم شاہ بتاتا ہے۔ اس کے پاس زر و دولت کی فراوانی ہے۔ توہم پرست عورتیں اُسے گھیرے رہتی ہیں۔ اس کی عادات و خصائل میں کسی قدر نسائیت ہے۔ وہ بظاہر کوئی دانشمند اور نفیس شخص نہیں اگرچہ وہ اپنے خط و خال سے انگریز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو ترکستان کا باشندہ بتاتا ہے۔ بظاہر ترکی فارسی اور عربی میں سے کسی زبان پر اُسے عبور نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اُردو بھی صفائی اور روانی سے نہیں بول سکتا۔ عوام میں یہ افواہ مشہور ہو گئی۔ کہ پیر کرم شاہ درحقیقت کرنل لارنس ہے۔ ایک[1] موقع پر عوام کے ایک غیظ آلود مجمع نے جو اُسے مشرقی ممالک کی تباہی کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ اُسے پیٹ ڈالا تھوڑے

---

[1] نومبر ۱۹۲۸ء میں لاہور میں جبکہ پنجاب کے ممتاز رہنما لالہ لاجپت رائے کی ارتھی لے جا رہے تھے۔ پیر کرم شاہ موٹر میں آتا دکھائی دیا۔ مجمع میں سے کسی نے کہا۔ کہ لارنس بم پھینکنا چاہتا ہے۔ اس پر لوگ پیر کرم شاہ پر ٹوٹ پڑے۔ پولیس نے اُسے بچا لیا اور تھوڑی دیر تھانے میں رکھ کر چھوڑ دیا +

عرصے میں اس افواہ نے قبول عام حاصل کر لیا۔ کہ لارنس جس نے عربوں کو تباہ کیا اب پیر کرم شاہ کے لباس میں جلوہ گر ہے +

پُراسرار مراجعت | آخر کار بعض نیم سرکاری اخبارات میں اعلان کیا گیا۔ کہ کرنل لارنس "درشا" کے نام سے میراں شاہ میں مقیم ہے۔ اسی زمانے میں افغانستان کے مطلع پر انقلاب کے بادل چھا گئے۔ اور ادھر عوام میں یہ خبر گرم ہوئی۔ کہ فتنۂ افغانستان سے لارنس کا گہرا تعلق ہے۔ ان افواہوں کی بنا پر حکومت نے کرنل لارنس کو سرحد سے انگلستان بھیج دیا۔ ۸ر جنوری ۱۹۲۹ء کو وہ لاہور پہنچا لیکن وہ نہ تو کسی اخبار کے نمائندے سے ملا۔ اور نہ اس کی آمد کی عوام کو اطلاع ہوئی۔ یہاں سے وہ بمبئی روانہ ہوگیا۔ اور ۱۲ر جنوری کو انگلستان جانے والے ایک جہاز پر سوار ہوگیا + اس واقعہ سے عوام کی قیاس آرائیوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ بلکہ لوگ یہی کہتے رہے۔ کہ اصل لارنس ہندوستان میں ہے۔ اور جو شخص انگلستان بھیجا گیا ہے۔ اس کا ہم شبیہ ہے + ان شبہات کو ایک اور واقعہ سے تقویت ہوئی۔ کہتے ہیں۔ کہ لارنس جب لندن پہنچا۔ تو فوٹوگرافروں اور اخبارات کے نمایندوں کی ایک جماعت اس کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھی اس نے کسی جانب توجہ نہیں کی۔ اور ایک موٹر پر بیٹھ کر اس طرح نکل گیا۔ کہ نہ تو فوٹوگرافر اس کی تصویر کھینچ سکے۔ اور نہ اخبارات کے نمائندے اس سے بات کر سکے۔ لیکن ان لوگوں کو جب معلوم ہوا۔ کہ لارنس فریب دے کر نکل گیا۔ تو انہوں نے موٹروں میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کیا۔ اِدھر لارنس کی موٹر پیچیدہ گلی کوچوں سے گزرتی ہوئی کنسنگٹن کے ایک عالی شان مکان کے سامنے جاکر رُک گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر اترا۔ اور مکان

میں گھس کر دروازہ بند کر لیا[1]۔

اس کے اس حیرت انگیز طریق عمل نے ایک شور برپا کر دیا۔ "ڈیلی نیوز" نے جو انگلستان کے مقتدر ترین جرائد میں ہے۔ ایک نہایت ہوش پرور مقالہ میں حکومت سے استفسار کیا۔ کہ کرنل لارنس جیسے مشہور شخص کے سفر کو مخفی اور پوشیدہ رکھنے میں اس قدر اہتمام کیوں کیا گیا؟ اس نے نمائندگان جرائد کے سوالات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ اپنا چہرہ کیوں ڈھانپ لیا؟ غرض کہ صرف ہندوستان میں ہی نہیں۔ بلکہ انگلستان میں بھی کرنل لارنس کے اعمال مدتوں بحث و نظر کا مرکز بنے رہے۔ اور اس کی نئی سرگرمیوں کے متعلق طویل مضامین لکھے جاتے رہے۔

فتنۂ افغانستان اور لارنس | یہ کہنا مشکل ہے کہ افغانستان کی بغاوت کے حقیقی اسباب و محرکات کیا تھے۔ لیکن فرانس، امریکہ اور جرمنی[2] کے بعض جرائد نے

---

[1] اس نے ایک ولایتی اخبار کے نمائندے کے اصرار بلیغ پر کہا تھا کہ میرا نام اسمتھ ہے اور میں لارنس کو جانتا بھی نہیں۔

[2] کلکتہ کے مشہور اخبار "لبرٹی" نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۲۹ء میں اپنے ایک نامہ نگار کا اہم مکتوب شائع کیا تھا۔ جو برلن کے ایک کثیر الاشاعت جریدہ کے بیان پر مشتمل تھا۔ اس بیان کی حسب ذیل سطور خاص طور پر قابل غور ہیں :-

اب تک انگلستان اس بات سے انکار کرتا رہا ہے کہ کرنیل لارنس کی مشہور و پُر اسرار شخصیت کا بغاوت افغانستان سے کوئی تعلق ہے۔ لیکن جب ہی یہ خبر شائع ہوئی کہ اس مشہور و معروف انگریزی ایجنٹ نے ہندوستان کے محکمۂ پرواز میں ایک معمولی سپاہی (ملاحظہ صفحہ ۹۲)

دبی زبان سے یہ شبہہ ظاہر کیا ہے کہ لارنس اس فتنہ کا مبدء تھا۔ اور وہ آگ جس نے جلال آباد کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ لارنس یا اسی قسم کے کسی فتنہ پرداز شخص کی لگائی ہوئی تھی ؛

اس شبہ کو سب سے زیادہ اس حقیقت سے تقویت ہوتی ہے۔ کہ بغاوت عرب اور شورش افغانستان کے خال و خط بہت متشابہ و متماثل واقع ہوئے ہیں جس طرح عربستان میں ترکوں کے الحاد و زندقہ کی داستانوں کو شہرت دی گئی۔ اسی طرح افغانستان میں شاہ امان اللہ خاں کے تفرنج اور بے دینی کے افسانوں سے عوام کے جذبۂ حمیت دینی کو برانگیختہ کیا گیا۔ اور علما و مشائخ نے بالاتفاق اُن کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا ؛

(بقیہ حاشیہ) کی حیثیت میں "شا" کے نام سے ملازمت حاصل کر لی ہے۔ باخبر حلقوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو گئی۔ کہ یہ کیسی خاص مقصد کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ اب یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ کرنیل لارنس جو محاربہ عظیم کے دوران میں عربستان کے اندر برطانیہ کی عظیم القدر خدمات انجام دے چکا ہے۔ کرم شاہ کے نام سے ایک عرب "ملا بن کرشنولیو" کے علاقہ میں رہا ہے۔ وہاں اس نے اپنے آپ کو صاحب کشف و کرامات اور خدا رسیدہ بزرگ ظاہر کیا۔ اور افغان قبائل کو یہ کہہ کر شاہ امان اللہ خاں کے خلاف برانگیختہ کیا کہ شاہ موصوف نے اسلام کی آبرو کھو دی۔ اسلامی قوانین و احکام کی خلاف ورزی کی۔ جو لوگ ان کی پیروی کریں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سزا دیگا (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۳)

بغاوت عرب کے ذکر میں آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ بڑے بڑے امراء شیوخ جنہیں ترکوں کے عہد حکومت میں خاص رسوخ حاصل تھا۔ بغاوت میں شریک تھے۔ بعض نے علانیہ سرکشی کی۔ اور جن سے یہ نہ ہو سکا۔ وہ خفیہ طور پر باغیوں کی امداد کرتے رہے۔ شورش افغانستان کے زمانہ میں بھی یہی ہوا۔ محمد ولی خاں وکیل السلطنت جو شاہ امان اللہ خاں کے عہد میں سب سے زیادہ بااثر شخص تھا۔ باغیوں کی اعانت میں سب سے پیش پیش تھا۔ محمود سامی جو کابل کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا۔ بچہ سقہ کی حمایت کا عہد کر چکا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے ایسے بلند مرتبہ لوگ کسی خارجی اثر کے بغیر اپنے آقا و ولی نعمت سے غداری نہیں کر سکتے تھے۔ اب رہا غازی امان اللہ کا الحاد و زندقہ جسے بغاوت کی علت العلل

(بقیہ حاشیہ) افغانستان کے شریف گھرانوں کی جو ۱۶ لڑکیاں بغرض حصول تعلیم ترکی بھیجی گئی تھیں۔ وہ کرنل لارنس کے ایما سے درہ خیبر میں روک لی گئیں۔ اور ان کا فوٹو لیا گیا۔ بعد میں اس فوٹو سے ایسی مصنوعی تصاویر تیار کی گئیں۔ جن میں ان لڑکیوں کو اس حالت میں دکھایا گیا تھا کہ وہ سپاہیوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی ہیں۔ اسی طرح ملکہ ثریا کی مصنوعی تصاویر تیار کی گئی تھیں۔ جن میں دکھایا گیا تھا کہ غیر محرم اشخاص ان کے ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں۔ یہ تصویریں ہزاروں کی تعداد میں افغانستان کے ان علاقوں میں جہاں کی آبادی بالکل جاہل ہے۔ اس غرض سے تقسیم کی گئیں۔ تاکہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اعلیٰ حضرت اور ان کی ملکہ نے اسلام ترک کر دیا +

قرار دیا جاتا ہے۔ تفحص سے کام لیا جائے۔ تو بھی ایک دور از کار افسانہ نکلے گا۔ اگر شاہ امان اللہ کے الحاد کی دلیل اُن کا مغربی لباس ہو سکتا ہے۔ اور اسے بغاوت کی علّت قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو افغانستان میں اُسی دن بغاوت برپا ہو جاتی جس دن امیر حبیب اللہ خان مرحوم کے خاندان کے اکثر افراد نے افرنجی لباس اختیار کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے افغانستان کے حالات کا معائنہ بدقت نظر کیا ہے۔ اور امیر حبیب اللہ خاں کے عہد حکومت کے صحیح واقعات سے آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ امیر شہید کے زمانہ میں افغانوں کی نگاہیں مغربی لباس دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی۔ جو انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیتی +

کہا جاتا ہے کہ غازی امان اللہ خاں کی نگاہوں کو مغربی جاہ و جلال نے خیرہ کر دیا۔ اور وہ سرزمین فرنگ سے عبودیت فکر کی متاع لے کر واپس لوٹے۔ لیکن اس بیان میں ذرہ بھر صداقت نہیں۔ سیاحت فرنگ کے زمانہ میں جب انہیں جمعیت الاقوام میں دعوت شرکت دی گئی۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں مشرقی اقوام کے لئے ایک علیحدہ جمعیت کا قیام چاہتا ہوں۔ مشرق و مغرب کی روایات اس قدر مختلف واقع ہوئی ہیں۔ اور اُن کے مقاصد میں اتنا بُعد ہے کہ وہ ایک مجلس میں پہلو بہ پہلو بیٹھ نہیں سکتے۔ جس شخص کو اپنی مشرقیت کا اتنا پاس ہو۔ اس پر مغرب پرستی کا الزام لگانا صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

لادل ٹامس | لائنس کا سوانح نگار لادل ٹامس جو مدت تک اُس کے ساتھ عرب میں رہا ہے شنواریوں کی بغاوت سے کچھ عرصہ پہلے افغانستان کی سیاحت

کر چکا تھا۔ لاول ٹامس کی سیاحت کے واقعات جب اخباروں میں شائع ہوئے
تو لوگوں نے اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ لاول کا یہ سفر لارنس کی سرگرمیوں سے کوئی
خاص تعلق رکھتا ہے +

لیکن لاول ٹامس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا سفر بالکل
غیر سیاسی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ عرب میں بھی اس لئے گیا تھا۔ تاکہ بغاوت کے
سربرآوردہ رہنماؤں اور اہم مقامات کی تصویریں حاصل کرے۔ اور افغانستان
کی سیاحت کا بھی یہی مقصد تھا کہ اس ملک کے صحیح حالات سے اہل مغرب کو
روشناس کرایا جائے۔ چنانچہ اُس نے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ جو اُس کے واقعات
سفر اور افغانستان کے طرز حکومت اور معاشرت پر مشتمل ہے +

بہرحال یہ امر قرین قیاس ہے۔ کہ فتنہ افغانستان کسی حد تک خارجی اثرات
کا رہین منت تھا۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اس سے کرنل لارنس کا واقعی کوئی
تعلق تھا۔ اس باب میں جسقدر قیاس آرائیاں کی گئی ہیں تسامح سے بری نہیں۔
اور اس نوع کا کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں جس کی بنا پر لارنس کو بغاوت افغانستان
کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے +

ایسے واقعات عوام کے ذوق افسانہ طرازی کے لئے ایک عمدہ موقع مہیا
کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ لارنس کے اعمال کے متعلق اخبارات میں متعدد مضامین شائع
ہوئے جن میں واقعیت سے زیادہ افسانہ کا عنصر تھا۔ ان مضامین کی تردید میں سول
اینڈ ملٹری گزٹ اور دوسرے جرائد نے جو مضامین لکھے۔ وہ بھی کم مضحکہ خیز نہیں
تھے۔ چنانچہ سول نے کرنل لارنس اور کرم شاہ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ

پیرکرم شاہ کا قد لارنس سے بارہ[1] انچ لمبا ہے۔ لارنس کا قد پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ ہے۔ سول کی روایت کے مطابق پیرکرم شاہ کا قد چھ فٹ ساڑھے پانچ انچ ٹھہرا ٭

جنوری ۱۹۲۹ء میں اخبارات نے ایک شخص ڈاکٹر ہیولاک نام کا طویل بیان شایع کیا جس کا ملخص یہ تھا۔ کہ افغانستان کے قبائل کو دو شخص برانگیختہ کر رہے ہیں۔ اُن میں ایک تو روس کا مشہور جاسوس ٹریش لنکن ہے۔ اور دوسرا کرنل لارنس۔ لارنس نومبر کے تیسرے ہفتہ میں کابل پہنچا اور شاہ امان اللہ خاں اور وزیر جنگ سے ملاقات کر کے غائب ہو گیا ٭

ہیولاک کے بیان کی طرح اور بھی اکثر بیانات اخباروں میں شایع ہوئے جن میں سے اکثر بیحد مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں۔ بہر حال فتنہ افغانستان سے لارنس کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ شنواریوں کا فتنہ حکومت سے دب نہ سکا۔ بغاوت سارے ملک میں پھیل گئی۔ شاہ امان اللہ خاں قندھار چلے گئے۔ بچہ سقا جو ایک معمولی رہزن تھا۔ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ کابل پر متصرف ہو گیا۔ اور شاہی فوجیں منہ تکتی رہ گئیں۔ زمانہ نے وہ ارق بھی آلٹا۔ کہ شاہ امان اللہ نے دل برداشتہ یورپ کا عزم کیا۔ بچہ سقا کی قوت کو زوال ہوا اور آخر کار جنرل نادر خاں نادر شاہ کے نام سے تخت سلطنت پر بیٹھ گئے ٭

لارنس کے موجودہ مشاغل | لارنس آجکل کہاں ہے؟ ایک بیان ہے کہ وہ پھر صحرائے عرب میں داخل ہو گیا ہے۔ بعض لوگ فلسطین کے اضطراب اور تحریک

[1] سول اینڈ ملٹری گزٹ بابت ۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء ٭

صیہونیاں سے بھی اُس کا تعلق بتاتے ہیں۔ ایک اور اطلاع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس نے ترکی کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ترک حکام نے اُسے روک دیا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز اطلاع یہ ہے۔ کہ لارنس کو ترک حکام نے گرفتار کر لیا۔ لیکن ان اطلاعات میں کوئی بھی قابل یقین و وثوق نہیں اور قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ کہ لارنس[1] کہاں ہے۔ اور اُس نے آجکل کس ملک کو اپنی جولانگاہ بنا رکھا ہے +

[1] لاول ٹامس کا بیان ہے۔ کہ میجر مارشل لارنس کے ہر راز سے باخبر تھا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو لارنس یقیناً اُسے اپنے مشاغل سے مطلع کرتا رہتا۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا کہ دفعتہً خود ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اور دنیا لارنس کے حالات معلوم کرنیکے اس ذریعہ سے بھی محروم ہو گئی +

سترھواں باب

لارنس کی سیرت پر ایک اجمالی نظر

لارنس اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے کوئی باوقار شخص نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لوگ اُسے دیکھ کر اُس کے خصائص سیرت کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ اُس کا قد پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ ہے۔ اُس کے گورے رنگ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُس نے اپنی عمر کا ایک حصّہ عرب جیسے ملک میں جہاں شدّت کی گرمی پڑتی ہے۔ بسر کیا ہے۔ اُس کی آنکھیں نیلی ہیں۔ جو پیہم حرکت کرتی رہتی ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ٹانگیں جسم کے بالائی حصّہ کے مقابلہ میں چھوٹی اور حقیر نظر آتی ہیں۔ اُس کا سر بہت بڑا ہے + وہ عام طور پر ہاتھ سینہ کے نیچے باندھ لیتا ہے۔ اور سر جھکا کر چلتا ہے۔ غرضکہ وجاہت ظاہری کے اس فقدان نے اُس کی حقیقی عظمت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اور جو لوگ اُسے اچھی طرح نہیں جانتے۔ اُسکی وضع قطع سے ہمیشہ اُس کے متعلق غلط عقیدہ قائم کرلیتے ہیں۔ امریکہ کے ایک جریدہ نگار نے ایک مرتبہ اُس کے متعلق کہا تھا کہ لارنس اپنے چہرہ سے سرکیشیا کی ایک نازنین رقاصہ معلوم ہوتا ہے +

عادات | اوّل تو لارنس کی صورت اُس کی سیرت کی پردہ دار واقع ہوئی ہے۔ اور پھر وہ ہمیشہ یہی سعی کرتا ہے کہ اُس کا وجود دنیا کے لئے ایک معمّا بنا رہے۔ وہ اپنے آپ پر ایک نیم مدہوشی کی سی کیفیت طاری کرلیتا ہے۔ اُس کی ہر ادا سے حماقت مترشح ہوتی ہے۔ اور دیکھنے والے اُسے ایک سادہ لوح شخص سمجھ لیتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اُس کی ذکاوتِ طبع کے واقعات کتابوں میں پڑھے ہیں۔ اُس سے ملتے ہیں۔ تو یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ لارنس جس نے عرب کے سرکش قبائل کو رام کرلیا تھا۔ اس خاموش اور سادہ لوح انسان سے بالکل مختلف ہے۔ لوگوں کو اپنے متعلق ایک غلط خیال میں مبتلا کر دینا اُس کے مخصوص مشاغل کے لئے نہایت مفید ہے لیکن جب وہ چاہتا ہے۔ عوام کو اپنی شخصیت سے مرعوب کر دیتا ہے بعض اوقات وہ وارفتگی اور بے خودی کا نقاب اُلٹ دیتا ہے۔ اور وہ لوگ جو چند لمحہ پیشتر اُسے ایک ناقابلِ التفات انسان سمجھے ہوئے تھے۔ یک بیک مسحور ہو جاتے ہیں +

لارنس کا ایک وصف خاص اُس کی کم گوئی ہے۔ وہ اکثر خاموش رہتا ہے اور جب بولتا ہے تو مختصر جملوں میں اپنا مطلب ادا کر دیتا ہے۔ اُس کے لبوں پر ہمیشہ ایک خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دیتی ہے۔ جو بعض اوقات خندہ دنداں نما کی حد تک پہنچ جاتی ہے لیکن اُسے بہت کم قہقہہ مار کر ہنستے دیکھا گیا ہے +

وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر اکل و شرب پسند نہیں کرتا۔ کھانے کے اوقات کے بارہ میں بھی وہ زیادہ پابند نہیں۔ اُس کی غذا نہایت مختصر اور سادہ ہے عام طور پر صرف روٹی اور مکھن پر زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ شراب پر سادہ پانی کو ترجیح

دیتا ہے۔ رابرٹ گریوز کا بیان ہے کہ لارنس ایک مرتبہ مجھ سے ملنے آیا میں نے اُسے ناشتہ میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ اُس نے چہار شنبہ سے شنبہ تک کھانا نہیں کھایا۔ اس عرصہ میں اُس نے صرف تھوڑی سی مٹھائی اور ایک نارنگی کھائی تھی۔ اور چائے کا ایک پیالہ پیا تھا۔

سونے کے اوقات کے بارہ میں بھی وہ زیادہ پابند نہیں۔ آدھی رات کے بعد اُس پر غنودگی سی طاری ہوتی ہے۔ اور بہت دیر تک نیم بیداری کے عالم میں پڑا رہنے کے بعد وہ کہیں سوتا ہے۔ وہ جلسوں اور میلوں میں شرکت کا خوگر نہیں اور عموماً اپنا دائرہ ملاقات وسیع کرنے سے محترز رہتا ہے۔ اُس کے پاس سیکڑوں خطوط آتے ہیں لیکن ان میں سے بہت کم قابلِ التفات سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ صاحب فضل وکمال ہے۔ تو وہ اُس سے ضرور ملاقات کر کے استفادہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ جس طرح اُس کے پرانے دوست بھی بعض اوقات اُسے نہیں پہچان سکتے۔ اسی طرح وہ بھی انہیں نہیں پہچانتا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی ماں اور بھائیوں کو بھی پہچان نہیں سکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ لارنس کے قلب میں کسی شخص کے لئے محبت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ عورتوں سے اُسے کوئی اُنس نہیں۔ اور اگرچہ انگلستان کی حسین ترین لڑکیوں کی یہ تمنا ہے کہ انہیں لارنس کی رفیقۂ حیات بننا نصیب ہو جائے لیکن لارنس جنس لطیف میں کوئی کشش محسوس نہیں کرتا۔ اور جو لوگ اُسے اچھی طرح جانتے

ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ اپنی وارستہ مزاجی کی بدولت ازدواجی زندگی کے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا +

غرضیکہ لارنس کے صرف وہ اعمال ہی حیرت انگیز نہیں جن سے تاریخ کے اوراق تابناک ہیں۔ بلکہ اُس کے ذاتی حالات۔ عادات و خصائل بھی ایک ماہر نفسیات کے لئے مستقل غور و فکر کا سامان بہم پہنچا دیتے ہیں +

علمی استعداد | ہم اس کتاب کے آغاز میں لارنس کی علمی استعداد کا ذکر کر چکے ہیں۔ اُس کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ اور قرونِ وسطیٰ کے مسیحی مجاہدین کے کارناموں کے علاوہ عہدِ حاضر کے بڑے بڑے کار آزمودہ جرنیلوں کے حالات بھی اُس کے دائرۂ علم و نظر سے باہر نہیں لیکن وہ بڑے بڑے کشور کشاؤں سے بھی کوئی خاص عقیدت نہیں رکھتا۔ عوام کا قاعدہ ہے۔ کہ وہ بعض لوگوں کو اُن کی جلالتِ قدر۔ علوِ مرتبت اور غیر معمولی شہرت کی بنا پر فوق الفطرۃ انسان سمجھ لیتے ہیں لیکن لارنس کی یہ کیفیت نہیں۔ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ وہ شخصیت کے بُتوں کی پرستش نہیں کرتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اُس کے کارناموں نے ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے۔ جو اُسے اپنا معبود سمجھتا ہے۔ اور اُس سے اسی نوع کی والہانہ عقیدت رکھتا ہے +

لارنس شاعر بھی ہے۔ فلسفی بھی اور مؤرخ بھی۔ وہ کئی زبانوں میں مہارت رکھتا ہے۔ اور فرانسیسی۔ اطالوی۔ ہسپانوی۔ جرمن نہایت صفائی اور روانی کے ساتھ بول سکتا ہے۔ ہالینڈ اور ناروے کی زبانوں میں بھی اُسے درخور ہے۔ اور کسی قدر اُردو بھی بول سکتا ہے +

لارنس مصنف کی حیثیت میں | لارنس کو دنیا ایک مصنف کی حیثیت سے بھی جانتی ہے۔

اُس نے دو کتابیں لکھی ہیں "سیون[1] پلرز آف وزڈم" اور "ریولٹ ان دی ڈیزرٹ" یہ دونوں اُس کے مشاہدات اور بغاوت عرب کے حالات پر مشتمل ہیں "سیون پلرز آف وزڈم" کے دس حصّے ہیں۔ اُس نے فروری ۱۹۱۹ء میں اسے بمقام پیرس لکھنا شروع کیا۔ اور جون تک سات حصّے لکھ ڈالے۔ اس کی تمہید کا آغاز اُس نے قاہرہ کے فضائی سفر کے دوران میں کیا تھا۔ لندن میں اُس نے اس کا آٹھواں حصّہ لکھا۔ لیکن دسمبر ۱۹۱۹ء میں کسی نے کتاب کا مسودہ چرا لیا۔ چور کا کوئی سُراغ نہیں مل سکا لیکن اُس کے دوستوں کا خیال ہے۔ کہ اس چوری میں سیاسی اغراض پنہاں تھیں +

جب اُس نے دوبارہ کتاب لکھنا شروع کی۔ تو اکثر یادداشتیں تلف ہو چکی تھیں۔ حافظہ کہاں تک کام دیتا۔ لیکن کرنل ڈانی جس نے دونوں مسودے دیکھے ہیں۔ لکھتا ہے۔ کہ ایک باب تو ایسا ہے جو حرف بحرف پہلے مسودے سے ملتا ہے۔ لارنس نے پوری کتاب تین ماہ میں لکھ ڈالی لیکن عرصہ تک اسکی اصلاح اور کانٹ چھانٹ ہوتی رہی۔ اور اس طرح یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب میں جا بجا ترکوں پر حملے کئے گئے ہیں۔ اور بعض مقامات نہایت فحش ہیں۔ اس کی تحریر میں انگلستان کے بعض مشہور انشا پردازوں کی اعانت بھی شریک تھی۔ کتاب میں تصاویر کا خاص اہتمام کیا گیا ہے لیکن اس کی صرف ایک سَو جلدیں چھپوائی گئیں جن پر تیرہ ہزار پونڈ صرف ہوئے۔ اور لارنس کو دس ہزار پونڈ کا خسارہ اُٹھانا پڑا +

[1] یہ کتاب کمیاب ہے۔ اور میری نظر سے نہیں گزری مجھے اسکے متعلق رابرٹ گریوز کی کتاب "لارنس اینڈ دی عربز" سے کسیقدر معلومات حاصل ہوئی ہیں لیکن ریولٹ ان دی ڈیزرٹ کتب فروشوں کے ہاں عام ملتی ہے +

"ریوولٹ ان دی ڈزرٹ" میں بغاوت عرب کے حالات نہایت سادہ زبان میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربوں اور بدوؤں کے رسم و رواج اور اسلامی ممالک کے جغرافیائی حالات کی نسبت لارنس کی معلومات نہایت وسیع ہیں۔ یہ کتاب زیادہ کامیاب ہوئی +

مذہبی عقاید | لارنس کے مذہبی عقاید کے متعلق بھی عجیب و غریب آرا ظاہر کی جا رہی ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا۔ کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہو سکتا ہے کہ اُس نے عربوں میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لئے اپنے مسیحی عقائد کا اخفا ہی مناسب سمجھا ہو۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ نپولین نے بھی ایک موقع پر اسلام اور پیغمبر اسلام سے اپنی عقیدت ظاہر کی تھی۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ اُس کا یہ فعل بعض سیاسی مصالح پر مبنی تھا۔ لارنس کی اسلام دوستی بھی تقریباً یہی حیثیت رکھتی ہے +

لارنس اسلامی تعلیمات سے باخبر ہے لیکن اُس کا علم نہایت سطحی واقع ہوا ہے اُس کا بیان ہے کہ اسلام کا خدا سراسر ہیکر قہر و جلال ہے چنانچہ جب اُس نے ایک مرتبہ ایک عرب[1] کو خدا کے رحم و کرم اور اُلفت و محبت کا ذکر کرتے سُنا۔ تو اُسے بے حد تعجب ہوا۔ اُسے ہمیشہ یہ خیال رہا۔ کہ مسلمانوں کے ذہن میں خدا کی وہی صفات ہیں جن کا تعلق اُس کے قہر و جلال سے ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اسی غلط عقیدہ کے باعث اُس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر مسیحی کا عقیدہ ہے کہ "خدا محبت ہے"۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں۔ کہ لارنس کوئی پابند مذہب مسیحی ہے۔ وہ اس ذور

[1] لارنس نے "ریوولٹ ان دی ڈزرٹ" میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے +

کے عام مسیحیوں کی مانند ہے جن کے عقائد پر الحاد غالب آچکا ہے ۔

لارنس کو عربوں کی تاریخ عروج و زوال سے بھی واقفیت ہے۔ کیونکہ جب اُس نے صحرائے عرب کے مختلف قبائل کو متحد کر کے ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ تو اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ کہ عربوں کو اسلاف کے کارنامے سُنا کر غیرت دلائی جائے۔ اور کہا جائے کہ جو قوم اُن پر حکومت کر رہی ہے۔ وہ اُن پر کسی حیثیت سے تفوّق اور برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اُس نے عربوں سے کہا۔ کہ اے فرزندانِ اسمٰعیل تم میں نبیؐ عربی صلعم پیدا ہوئے۔ تم قرآن کے مخاطب اوّلین ہو۔ تم نے مشرق و مغرب کے ظلمتکدوں میں شمع علم روشن کی۔ تم نے یونانیوں۔ ایرانیوں۔ اور مصریوں کے مُردہ علوم کو زندہ کیا۔ کیا تمہاری غیرت گوارا کرتی ہے۔ کہ ملحد ترکوں کے حلقہ بگوش[لے] رہو؟

مفاخرت عرب کا امتیازی وصف ہے۔ اگرچہ اسلام نے جاہلیّت کے انداز تفاخر کو مٹایا۔ لیکن مفاخرت قطعی طور پر نہ مٹ سکی۔ آج بھی عرب جب فخریہ قصاید پڑھتے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تلواروں کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔ لارنس عربوں کی اس خصوصیت سے آگاہ تھا۔ اس لئے اُس نے اس جذبۂ مفاخر سے فائدہ اُٹھانے کی پوری سعی کی۔ اور اُن کے مذہبی اور نسلی فخر و ادّعا کو حرکت میں لاکر اس بغاوت میں جسے جہادِ حریت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ شریک ہونے پر آمادہ کر دیا۔ عودہ ابن ابوطاقی ایک صاحب اوّعا شخص تھا۔ جسے لارنس سے بیحد اُنس تھا۔ اس اُنس کی وجہ یہی تھی کہ لارنس کی گفتگو ہمیشہ اس کے مذاق کے مطابق

لے۔ لاول تھامس نے اپنی کتاب میں جا بجا لارنس کی ان سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے ۔

ہوتی تھی +

معلوم ہوتا ہے کہ لارنس عربوں کے خصائص و عادات اور رسوم سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اُس کی یہی خصوصیت عربوں کی شیفتگی اور گرویدگی کا باعث ہوئی وہ عربی نہایت صفائی اور روانی کے ساتھ بول سکتا ہے۔ اور اگرچہ اُس کی زبان میں حجازیوں کی سی فصاحت تو نہیں۔ لیکن کم از کم مخاطب اُس کی باتیں سُن کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ شامی عرب ہے فیصل نے اُسے اپنے رفقا کے ساتھ ایک شامی عرب کی حیثیت سے روشناس کرایا تھا۔ زبان بہتیرے راز فاش کر دیا کرتی ہے۔ اگر اُسے عربی بولنے پر پوری قدرت نہ ہوتی۔ تو عربوں پر اُس کا افرنجی الاصل ہونا فوراً ظاہر ہو جاتا +

لارنس بغاوت عرب کے زمانہ میں عربی لباس پہنتا رہا۔ لاول ٹامس[1] نے اُسے پہلی مرتبہ جب عبا اور عقال پہنے ہوئے دیکھا۔ تو اُس نے اسے کوئی عرب شہزادہ سمجھا۔ جنگ عمومی کے خاتمہ کے بعد جب فیصل انگلستان آیا۔ اور ملک معظم نے اُسے قصر بکنگھم میں شرف باریابی بخشا۔ تو لارنس عربی لباس پہنے اُس کے ہمراہ تھا۔ انگلستان کا ایک مقتدر رہنما لارنس کو اس لباس میں دیکھ کر بہت ناراض ہوا۔ اور کہا کہ کرنل لارنس تمہیں یہاں اس غیر ملکی لباس میں نہیں آنا چاہئے۔ لارنس نے جواب میں کہا۔ جناب جب ایک شخص کے دو آقا ہوں۔ اور اُسے ان دونوں میں سے ایک کو ناراض کرنا پڑے۔ تو اُسے چاہئے کہ اپنے اُس آقا کو ناراض کرے جو زیادہ طاقتور

---

[1] لاول ٹامس جس نے لارنس کے حالات پر سب سے پہلے ایک کتاب لکھی۔ بغاوت کے زمانہ میں عربستان میں رہ کر متحرک تصاویر فراہم کرتا رہا +

ہو۔ میں یہاں اپنے آقا امیر فیصل کے ترجمان کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اس لئے میں نے اُس کی فوجی وردی پہن رکھی ہے +

ذہانت! لارنس نہایت ذہین اور طباع شخص ہے۔ اور اُس کا حافظہ نہایت قوی ہے۔ جس زمانہ میں وہ قاہرہ میں تھا۔ ایک مرتبہ اُس کے اعلیٰ افسر نے اُس سے پوچھا۔ کہ ترکوں کا اکتالیسواں ڈویژن کہاں ہے۔ لارنس نے جواب دیا کہ حلب کے قریب فلاں مقام پر۔ افسر نے پوچھا کیا تم نے اس کے متعلق یادداشت رکھ لی ہے۔ اُس نے جواب دیا نہیں۔ افسر نے درشت لہجہ میں پوچھا کیوں؟ لارنس نے کہا یہ تمام تفاصیل میرے ذہن میں محفوظ ہیں +

بغاوت عرب کی ساری تاریخ لارنس کی غیر معمولی ذہانت کے واقعات سے مملو ہے۔ جب وہ عربستان میں پہلے پہل وارد ہوا۔ تو اُسے بتایا گیا تھا کہ عبداللہ کی بدولت بغاوت بروئے کار آئی ہے۔ اور اُس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ترکوں کو اس ملک سے نکال دے۔ لیکن اُس نے شریف کے چاروں بیٹوں[1] سے یکے بعد دیگرے ملاقات کرنے کے بعد بغاوت کی قیادت کے لئے فیصل کو منتخب کیا۔ واقعات شاہد ہیں کہ اُس کا یہ انتخاب صحیح تھا۔ اور فیصل واقعی سیاست فہمی اور تدبیر دانی میں اپنے تمام بھائیوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح جنگ سے قبل ہی اُس نے آثار و قرائن کی بنا پر یہ رائے قائم کر لی تھی۔ کہ عنقریب ایک عالمگیر جنگ چھڑنے والی ہے +

---

[1] علی حسین کے بعد شاہ حجاز بنا۔ عبداللہ شرق اردن کا امیر تسلیم کیا گیا۔ اور انگریزوں نے فلبی کو اس کا مشیر مقرر کیا۔ فیصل شام کا بادشاہ بنایا گیا۔ اور زید نے اپنے باپ کی رفاقت اختیار کی +

لارنس کو قیافہ شناسی میں بھی ملکہ ہے۔ جب وہ مصر میں تھا۔ تو ایک کریہہ منظر شخص کو گرفتار کر کے اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس کا بیان تھا۔ کہ میں شامی ہوں۔ لیکن لارنس نے اُس کے چہرہ پر ایک نظر ڈال کر کہدیا " تم جھوٹے ہو۔ تم مصر کے رہنے والے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " اسی طرح ایک مرتبہ ایک وجیہہ اور خوشرو عرب اُس کے پاس چند اطلاعات لے کر آیا۔ لارنس کے ایک رفیق نے کہا کہ یہ شخص چال ڈھال سے بدوی معلوم ہوتا ہے۔ لارنس نے جواب دیا۔ دراصل یہ شامی عرب ہے لیکن بنی صخر کے زیر حفاظت زندگی بسر کرتا ہے۔ تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ لارنس کا قیاس صحیح تھا۔

عسکری قابلیت | لارنس نے اگرچہ کوئی خاص عسکری تربیت حاصل نہیں کی۔ اور اس لئے فیصل اور حسین کے انگریز مشیر اُسے چنداں اہمیت نہیں دیتے تے۔ لیکن بغاوت کے زمانہ میں اُس نے اپنی عسکری قابلیت کے خوب جوہر دکھائے۔ اُس وقت بڑے بڑے ماہرین فن حرب کی رائے یہ تھی۔ کہ مدینہ کو مرکز ہجوم بنایا جائے لیکن لارنس مدینہ کے ترکی عساکر کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ آخر زمانہ کو اُس کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ ایک انگریز جرنیل نے جسے اپنی فوجی قابلیت پر بہت ناز تھا۔ اُس سے ازراہ حقارت کہا۔ کہ تم ہم سے ہمسری کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لارنس نے جواب دیا۔ کہ اگر فوج کا ایک دستہ تمہارے پاس ہو اور ایک میرے پاس۔ اور ہم دونوں کو آپس میں لڑنے کا حکم دیا جائے تو میں جانتا ہوں کہ میدان کس کے ہاتھ رہیگا۔" اگرچہ لارنس نے باقاعدہ فنون حرب کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ لیکن وہ عہد حاضر کے تمام نامور جرنیلوں کے کارناموں کا مطالعہ کر چکا

ہے۔ اور اس فن کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اُس کی نگاہ سے مخفی رہ گیا ہو۔ مزید براں عرب قبائل کی جنگ کا طریقہ نرالا ہے۔ اُن سے لارنس ہی کام لے سکتا تھا۔ شاید دورِ حاضر کا کوئی بڑے سے بڑا جرنیل بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ صحرائے عرب میں لارنس کے ساتھ پیکار آزما ہو سکے۔ اس عہد میں مارشل فوش کو بہت بڑا ماہر فنِ حرب کہا جاتا ہے۔ جنگِ عمومی کے بعد جب لارنس بوڑھے سپہ سالار سے پیرس میں ملا۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ شام میں عنقریب فرانسیسوں اور عربوں کے درمیان ہنگامہ کارزار گرم ہونے والا ہے۔ کیا تم عرب عساکر کی قیادت کرو گے؟ لارنس نے جواب دیا کہ اگر آپ بنفس نفیس فرانسیسی فوجوں کی کمان کریں تو میں بھی عربوں کی قیادت کر کے اس معرکہ سے لطف اندوز ہونگا۔ مارشل فوش نے کہا۔ میں تم سے مقابلہ کر کے اپنی اُس شہرت پر پانی نہیں پھیرنا چاہتا۔ جو میں نے مغربی محاذِ جنگ کے معرکوں میں حاصل کی ہے ٭

ایک کامیاب جرنیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ غنیم کی نقل و حرکت سے پوری آگاہی رکھتا ہو۔ اس معاملہ میں کوئی قابل سے قابل جرنیل بھی لارنس کا حریف نہیں ہو سکتا۔ جب وہ مصر میں تھا تو اُس کے سپرد یہ خدمت تھی کہ ترک عساکر کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرے۔ چنانچہ اُسے معلوم تھا کہ فلاں ڈویژن فلاں مقام پر ہے اور فلاں ڈویژن فلاں مقام پر۔ اور تو اور چھوٹے چھوٹے دستوں کی نقل و حرکت کے متعلق وہ معلومات فراہم کر لیتا تھا۔ اور کوئی جزئی سے جزئی واقعہ ایسا نہیں تھا۔ جو اُس کے دائرہ نظر سے باہر رہ گیا ہو۔ ایک مرتبہ قاہرہ میں دو جرنیل ترک عساکر کی نقل و حرکت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا فلاں ڈویژن فلاں

مقام پر پہنچ گیا ہوگا۔ لارنس پاس ہی کھڑا سنتا تھا۔ اُس نے قطع کلام کر کے کہا۔ نہیں صاحب یہ قطعاً غلط ہے۔ راستے خراب ہیں۔ ذرائع رسل و رسائل محدود۔ اس ڈویژن کا جرنیل نہایت سست اور کاہل انسان ہے۔

ترک فوج کے متعلق جو اُس نے یادداشتیں مرتب کیں۔ وہ جامعیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہیں۔ مثلاً اگر وہ کسی ترک دستہ کے متعلق یادداشت سپرد قلم کرتا تھا۔ تو اُس کے افسر کے ذاتی حالات تک ضبط تحریر میں لے آتا تھا۔ اس کی یادداشت کا انداز یہ ہوتا تھا:۔

"جنرل عبدالمحمود ڈویژن نمبر —— کا کمانڈنگ افسر نسلاً البانی ہے۔ —— اُسے تپ دق کا مرض ہے۔ نہایت قابل افسر ہے۔ توپ اور بندوق کی لڑائی میں اُسے مہارت حاصل ہے۔ لیکن اخلاقی حالت نہایت پست ہے۔ رشوت لینے میں اُسے کوئی دریغ نہیں"۔

دوسرے افسر ان یادداشتوں کو غیر ضروری سمجھتے تھے لیکن درحقیقت ان سے انگریزوں کو بہت مدد ملی۔ اور اُنہوں نے اس قسم کے تمام ترک افسروں کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اگر لارنس نہ ہوتا۔ تو بغاوت عرب کبھی کامیاب نہ ہوتی۔ اور آج مشرق کا نقشہ بالکل مختلف نظر آتا۔ جنگ عظیم میں انگریزوں کی کامیابی کے دو بڑے اسباب تھے۔ مغرب میں انہیں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اعانت کے باعث کامیابی ہوئی اور مشرق میں اُن کی فتح کا راز بغاوت عرب میں مضمر ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ مشرق میں اتحادیوں نے تنہا لارنس کی بدولت ترکوں کے ممالک

محروسہ پر قبضہ کر لیا +

یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ لارنس کو بغاوت عرب میں حصہ لینے اور ترکوں کو عربوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔ لارنس سے پہلے واتمس نام ایک جرمن جاسوس نے جنوبی ایران کے قبائل کو حکومت ایران کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ایران میں انگریزوں کے اقتدار کو شکست دی جائے۔ بہت ممکن ہے کہ لارنس نے واتمس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی ہو +

لارنس نہایت محنتی اور جفاکش شخص ہے۔ صحرائے عرب میں جہاں منزلوں ریت کے تودوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور بادِ سموم کے جھونکے دو قدم چلنا بھی ناممکن کر دیتے ہیں۔ بغاوت کو کامیاب بنانا لارنس کا ہی کام تھا۔ عقبہ پر حملہ کرنے سے پیشتر وہ کئی دن تک جلتی ریت پر ننگے پاؤں دوڑتا رہا۔ عقبہ کے طویل سفر میں عودہ ابن ابی طائی جیسے جفاکش لوگ جو صحرا کی آب و ہوا کے عادی تھے مضمحل دکھائی دیتے تھے۔ لیکن لارنس اسی طرح چاق و چوبند تھا +

شجاعت ۔ لارنس کی شجاعت۔ بے خوفی اور مردانگی کے متعلق کئی حکایتیں مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ قبیلہ فیض کے چند شہسواروں نے اُس پر حملہ کیا۔ اُس وقت لارنس کے ہمراہ صرف ایک شخص تھا۔ لارنس نے انہیں آتے دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا اور ان کو اُس کے اطمینانِ خاطر نے متحیر کر دیا۔ اور انہوں نے سمجھا۔ کہ اس کے ہمراہ کوئی بہت بڑی جمعیت ہے۔ وہ ابھی اسی تحیر میں تھے کہ لارنس موقع پا کر نکل گیا +

لارنس کے خصائص سیرت میں اُس کا ذوق تخریب و ہلاکت بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تسخیر عقبہ کے بعد اُس کی زندگی یک بیک بیحد ہنگامہ خیز بن جاتی ہے۔ اور وہ لوگوں کو ہلاکت کی دعوت عام دیتا نظر آتا ہے۔ شام کی مہم میں اُس نے ترک عورتوں اور بچّوں کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اُس کے سفاکانہ اعمال کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کائنات کی ساری درندگی ایک وجود میں جمع ہو گئی ہے۔ اور دنیا کی تمام سفلی قوتوں نے ایک انسانی پیکر میں پناہ لے لی ہے۔ چنانچہ اُس نے ایک موقع پر اپنے ایک دوست سے کہا تھا:۔

"میرے نزدیک وہ منظر نہایت پُر اثر اور دلاویز تھا۔ جبکہ ایک گاڑی جو ترک سپاہیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ڈائنامیٹ کے زور سے بالائے ہوا جا پہنچی"

لیکن بعض اوقات ابنائے جنس کے مصائب پر اُس کا دل پگھل جاتا ہے شام میں فرانسیسی وحشیوں نے جو مظالم برپا کئے۔ اُن کی روئداد سن کر لارنس کو بیحد قلق ہوا۔ انہیں دنوں فرانس کے ایک کتب فروش نے اُسے لکھا کہ میں آپ کی کتاب "ریوولٹ ان دی ڈزرٹ" کا فرانسیسی ترجمہ شایع کرنا چاہتا ہوں۔ لارنس نے جواب دیا کہ میں اس شرط پر یہ اجازت دے سکتا ہوں کہ کتاب کے صفحۂ اوّل پر یہ الفاظ تحریر کئے جائیں۔ کہ اس کتاب سے جس قدر روپیہ حاصل ہوگا اُس سے اُن شامیوں کی اعانت کی جائے گی جن پر فرانسیسیوں نے ستم توڑے ہیں۔

جن دنوں وہ وادی فرات میں ہوگرتھ کے ساتھ تھا۔ ایک جرمن انجینیر نے کسی عرب مزدور کو کوڑے سے پیٹا۔ لارنس کو معلوم ہوا تو اُس نے جرمن انجینیر سے اس حرکت

کا سبب دریافت کیا۔ انجنیر نے جواب دیا۔ آپ رہنے دیجئے۔ ان لوگوں سے اسی نوع کا سلوک مناسب ہے۔ لارنس نے کہا کہ یا تو اس مزدور سے معافی مانگ لو۔ ورنہ میں تمہیں اسی طرح کوڑے سے پیٹونگا۔ پہلے تو جرمن انجنیر نے نہ مانا۔ لیکن لارنس کے تیور دیکھ کر عاقبت الامر اُس نے معافی مانگ لی ؛

اسی طرح اُس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک افسر دو سپاہیوں کو سخت سُست کہہ رہا ہے۔ وہ قریب پہنچ کر سننے لگا۔ افسر کہہ رہا تھا "احمقو۔ تم نہیں جانتے کہ میں میجر ہوں۔ تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔ اب اسی طرح میرے پاس سے گذرو اور مجھے سلام کرو۔ وہ اس حکم کی تعمیل کر کے رخصت ہونے لگے تھے۔ کہ افسر نے انہیں روک کر کہا۔ تم نے سلام کرنے میں غلطی کی ہے۔ پھر سلام کرو۔" انہوں نے پھر تعمیل کی۔ یہ دیکھ کر لارنس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُس نے آگے بڑھ کر کہا "میجر ذرا ٹھہرو تم ایک ضروری بات بھول گئے ہو"؛

میجر اُسے پہچانتا تو نہیں تھا۔ لیکن لارنس کے انداز کلام اور اُس کی وردی سے اُس نے سمجھ لیا۔ کہ وہ کوئی اعلیٰ افسر ہے۔ لارنسؒ نے کہا "میجر تم یہ بھول گئے۔ کہ جس افسر کو سلام کیا جاتا ہے۔ اُسے بھی جواب میں سلام کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے تمہیں سلام کیا ہے۔ تم اب انہیں سلام کرو" افسر نے مجبوراً سلام کیا۔ لارنس نے پھر کہا "انہوں نے تمہیں دو مرتبہ سلام کیا ہے۔ تم بھی دوبارہ سلام کرو" میجر نے حکم کی تعمیل کی اور دونوں سپاہی خوش ہو گئے ؛

ؒ لارنس کی خوش طبعی اور زندہ دلی کے متعلق بھی بہتیرے واقعات مشہور ہیں۔ جنہیں ہم نے بخوف طوالت قلم انداز کر دیا ہے ؛

باایں ہمہ لارنس شہرت کا جویا نہیں ہے۔ ۱۹۱۹ء میں جب انگلستان کے جرائد میں اُس کے متعلق اکثر مضامین شایع ہوئے۔ تو تقریباً پچاس لڑکیوں نے اُس سے شادی کی تمنا ظاہر کی۔ اس واقعہ نے اُسے زیادہ عزلت پسند بنا دیا لارنس چاہتا تو وہ کوئی بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنی خدمات کا کوئی صلہ نہیں لینا چاہتا۔ اُس کے کارناموں نے اُس کے مداحوں کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر دی ہے۔ جس میں برطانیہ کے بڑے بڑے اکابر و عمائد شامل ہیں۔ اُنہوں نے ایک مرتبہ یہ چاہا تھا۔ کہ لارنس کو کسی مشرقی نوآبادی کا گورنر مقرر کر دیا جائے لیکن لارنس کی بے نیازی اور استغنا کے پیش نظر اُنہیں یہ خیال ترک کر دینا پڑا +

لارنس کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت جو اُس کی اسلام دشمنی کے باوجود ہمیں اُس کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہی ایفا پرستی ہے۔ اُس نے عربستان میں برطانوی تسلط و اقتدار کی خاطر جو عظیم القدر خدمات انجام دیں۔ اُن میں نفسانی اغراض کا شائبہ تک نہ تھا۔ محاربۂ عمومی کے بعد جب وہ شاہ جارج پنجم کے حضور میں پیش ہوا۔ تو اُس نے یہ کہہ کر اپنے تمام تمغے واپس کر دیئے کہ حکومت نے عربوں سے ایفائے عہد نہیں کیا۔ اس لئے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ ان تمغوں کو اپنے پاس رکھوں +

ممکن ہے کہ عربوں سے جو بدعہدی کی گئی۔ اُس نے لارنس کو اپنے اس عزم میں کہ وہ کوئی اعزاز قبول نہیں کرے گا۔ راسخ کر دیا ہو لیکن اس ارادہ کی سب سے بڑی وجہ اُس کا جذبۂ ایثار ہے۔ اور اگر وہ کوئی اعزاز قبول کر لیتا تو

آج اُس کا نام بھی اُنہیں لوگوں کی فہرست میں ہوتا جنہوں نے صلہ کی تمنا میں شہرت اور عزت کی اُمید پر خدمات کیں۔ اور اگرچہ یہ تمنا پوری ہوگئی لیکن اُنہیں کوئی حقیقی عظمت حاصل نہیں ہوسکی +

لارنس کا مقابلہ لارڈ کرزن سے کیجئے۔ جس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اُسے انگلستان کا وزیراعظم بنا دیا جائے۔ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ اور اس ناکامی نے اُس کی زندگی تلخ کردی۔ لارڈ کرزن کی خدمات سے کیسے انکار ہوسکتا ہے۔ اُس کا شمار برطانیہ کے اُن محسنوں میں ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر اپنے وطن کو سربلند دیکھنے کی کوشش میں صرف کردی۔ اور بظاہر لارنس کو جو برطانی فوج کا ایک معمولی کرنل ہے اُس سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی لیکن سچ پوچھیے تو لارنس کی عظمت حقیقی عظمت ہے۔ لارڈ کرزن کی جلالت قدر، اُس کی عظمت کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے +

آج لارنس تمام اعزازات سے قطع نظر کرکے دنیا کے کسی نامعلوم گوشہ میں اپنے ملک کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لیکن سارا مغرب اُس کے کارناموں سے گونج رہا ہے۔ لارنس[۱] کے مداحوں کے زمرہ میں جہیں مسٹر لائڈ جارج۔ لارڈ کرزن آنجہانی۔ لارڈ ایلنبی جیسے بلند پایہ مدبرین اور برنارڈ شا[۲] اور ٹامس ہارڈی

---

[۱] مشہور سیاح عورت مس گرٹرڈ بیل لارنس کی بیحد معترف ہے۔ اُس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ لارنس کانٹوں کو چھوتا ہے تو وہ پھول بن جاتے ہیں +

[۲] مسٹر جارج برنارڈ شا سے لارنس کے بہت گہرے تعلقات ہیں۔ شاید انہیں تعلقات کی بنا پر وہ لارنس کے بجائے "شا" کہلانا پسند کرتا ہے +

جیسے ادباء و شعرا کے نام نظر آتے ہیں۔ انگلستان کے ایک مشہور مدبر کا بیان ہے کہ برطانی مجلس وزارت میں جب شام فلسطین اور حجاز کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو لارڈ کرزن نے ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر میں لارنس کا تعارف کرایا۔ اور اُس کے کارناموں کی بے حد مدح و ستائش کی جب تقریر ختم ہوئی تو اُس نے لارنس کی جانب رُخ کرکے کہا "کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں" لارنس نے صرف اس قدر کہا "آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ آپ نے ہمیں کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا کردیا ہے" لارنس نے بمشکل یہ الفاظ کہے تھے کہ لارڈ کرزن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا بہہ نکلا۔

غرضکہ لارنس کی سیرت کے اس دھندلے سے خاکے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اُس میں گوناگوں صفات جمع ہیں۔ وہ ایک نکتہ رس شاعر بھی ہے۔ اور بالغ نظر فلسفی بھی۔ وہ ایک صائب الرائے مدبر بھی ہے۔ اور ایک شجاع جرنیل بھی۔ وہ چنگیز اور ہلاکو کی طرح ہلاکت و خونریزی کا بھی دلدادہ ہے۔ اور گلیڈ سٹون کی طرح مہمات ملکی کی گتھیاں بھی سلجھا سکتا ہے۔ کبھی وہ وادیٔ فرات میں ایک مٹے ہوئے تمدن کے آثار باقیہ کی تحقیق میں مصروف نظر آتا ہے۔ اور کبھی ایک عرب عورت کے لباس میں عمان کے استحکامات کا معائنہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی ہم اُسے عرب قبائل میں مصروف وعظ دیکھتے ہیں۔ اور کبھی حملہ و ہجوم کی تدابیر سوچنے میں مشغول پاتے ہیں۔ اُس کے ان عجیب و غریب خصائص کا مطالعہ کرکے ایک اہلِ نظر نے کہا تھا:۔

"میں انکار کرتا ہوں۔ کہ لارنس درحقیقت کوئی انسان ہے۔ لارنس

دراصل برطانیہ کی خارجہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے جس میں دانش و
تدبّر اور علم و نظر کی جاذبیت کے ساتھ تخریب و ہلاکت جبر و تشدّد
اور قہر و جلال کی ہولناکی شامل ہے ؀

پُراسرار ناول

بم کا نسخہ مترجمہ قاضی محمد عدیل صاحب عباسی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی (علیگ) سابق ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" لاہور۔ اس ناول میں جنگ یورپ کی سیاسیات۔ حب الوطنی اور سراغرسانی کی ایک ہوشربا داستان پیش کی گئی ہے۔ قومی مقصد کو واضح کرنے کے لئے مصنف نے ایک بم کے نسخہ کی پُراسرار کہانی لکھی ہے۔ جو لندن کے ایک ہوٹل سے گم ہوتا ہے۔ اور مختلف ممالک کے سراغرساں اسے حاصل کرنے کے لئے جان توڑ کر کوشش کرتے ہیں۔ اس نسخہ کے حاصل کرنے کے لئے انگلستان کے سراغرساں لوشسٹر کے محیر العقول کارنامے۔ امریکن سراغرساں لڑکی مس ہیلا کی مستعدی۔ دلیری اور حیرت انگیز قوت ارادی۔ جاپان کے شہزادہ نکاسٹی کی ہوشیاری۔ چالاکی۔ اور ایک ادنےٰ ملازم کے بھروپ میں وطنی خدمات کی انجام دہی۔ فرانس کی سراغرساں مس سونیا کی ایک ناچنے گانے والی عورت کے بھیس میں خفیہ خبررسانی۔ نسخہ کے موجد گریہم کی دل ہلا دینے والی سرگذشت اور اس کا حشر۔ جرمنی کے کروڑپتی سراغرساں نشر کی جاسوسی اور خطرناک سازشیں۔ جرمن تاجروں کی ایک خفیہ انجمن کے کارنامے۔ اور نسخہ کا انجام نہایت خوبی سے لکھا گیا ہے۔ سرورق رنگین۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ عمدہ سفید۔ صفحات ۲۴۳ مجلد عہ

خون کی پیاس یہ ایک حیرت انگیز دماغ رکھنے والے مجرم کی داستان ہے۔ جس کے خون کی پیاس جب ایک مرتبہ بھڑک اٹھتی تھی۔ تو بچہ بوڑھا کوئی اس کے ہاتھ سے محفوظ نہ رہ سکتا اور اس کے جرم کے طریقے حیرت انگیز سراغرسانوں کو دیوانہ بنا دیتے

والے تھے۔ ایک شخص جس کو قتل ہوتے دیکھا گیا۔ اور جس کا دھڑ صبح کے وقت مکان سے نکالا گیا تھا۔ اُس نے دو پہر کو ایک کثیر رقم کا چیک بنک سے بھنایا۔ ایک شخص جو رات بھر اپنے مکان میں رہا۔ اور صبح کو وہاں سے رخصت ہُوا۔ اس کے جانے کے بعد الماری میں سے اس کا کٹا ہوا سر نکلا جس کے متعلق ڈاکٹروں نے رائے دی کہ دو روز پہلے بدن سے الگ کیا گیا ہے۔ دنیا کا یہ بے مثال مجرم اس طرح جرم کرتا تھا۔ کہ کوئی یہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کہ اس کا گرفتار ہونا بھی کسی طریق سے ممکن ہے۔ لیکن آخر کار ایک ہوشیار سراغرساں نے جس کا دماغ مجرم کے دماغ سے بھی زیادہ تیز تھا۔ اس کو بے حد مشکلات کے بعد قانون کے شکنجہ میں جکڑ لیا۔ ۲۶۰ صفحے۔ قیمت عہر

بدنصیب ۔ ایک خوفناک مجرم کی حیرت انگیز داستان۔ جسے قید و بند کے مصائب راہ پرست پر نہ لا سکے۔ مگر ایک پارسا کی مروت نے ایسا بے بس کیا۔ کہ اس کی تمام زندگی ایک معصوم مگر بدقسمت لڑکی کی نگہداشت میں صرف ہو گئی۔ اور صرف اس کی حفاظت کی فکر جنون بن کر اسے قانون اور سراغرسانوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مجبور کرتی رہی۔ بے انتہا دلچسپ پُراسرار اور موثر قصہ حجم ۴۰۰ صفحے قیمت صرف عہر

مغرب کے شہرہ آفاق افسانہ نویس۔ آر۔ ایل اسٹونسن کی مایہ ناز تصنیف "آجکل کی الف لیلہ" کا ترجمہ جناب سالک مدیر انقلاب کے قلم سے۔ اس سلسلے کی تین کتابیں ہیں:-

خودکشی کی انجمن ۔ ایک پُراسرار انجمن کی سنسنی پیدا کرنے والی کہانی جسے ایک جرائم پیشہ شخص نے اس غرض سے بنا رکھا تھا۔ کہ دنیا کے مایوس اور کم ہمت لوگوں سے روپیہ وصول کر کے ان کے لئے خودکشی کے مواقع بہم پہنچایا کرے۔ بوہیمیا کا شہزادہ فلوریزل

اس کا ممبر بن گیا۔ اور موت سے بال بال بچ کر اس نے اس ناپاک محفل کا خاتمہ کر دیا۔ عہ/

۲۔ **راجہ کا ہیرا**۔ ایک ہیرا جو مشرق سے مغرب میں پہنچا۔ وہاں جس کسی کے ہاتھ میں جاتا۔ اس پر مصائب کا طوفان لے آتا تھا۔ کئی حریص اس ہیرے کی تاک میں تھے۔ اور اسے عجیب و غریب ترکیبوں سے اڑا لیتے تھے۔ مگر وہ کسی کے پاس زیادہ دیر نہ رہنے پاتا تھا۔ آخر مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہوا وہ بوہیمیا کے شہزادہ فلوریزل کے ہاتھ لگا۔ اور اس نے ہمیشہ کے لئے اس کا قصہ ختم کر دیا۔ بے حد عجیب و غریب اور پراسرار واقعات۔ کہیں کہیں مذاق کے چھینٹے اور بے حد دلفریب انداز بیان عہ/

۳۔ **قصر ساحل**۔ خوفناک جنگلوں کی تاریکی میں ایک قصر تھا۔ جو مدت سے ویران پڑا تھا۔ ایک رات اس کے دریچوں میں روشنیاں حرکت کرتی ہوئی نظر آئیں۔ اور اس ویرانے میں سنسنی پیدا کرنے والے واقعات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ شروع ہو گیا۔ حسن و عشق اور نفرت و انتقام کے جذبات کیسی کیسی مہیب صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر یہ دیکھنا ہو۔ تو اس ویران قصر کی پراسرار داستان پڑھئے عہ/

سعید و فلپانہ۔ اسلامی شجاعت۔ تہوّر اور بہادری کا سچا تاریخی افسانہ۔ عربوں کی لیلانہ اور فاتحانہ زندگی کا مرقع۔ غازیانِ اسلام کا جوش جہاد۔ شام کی فتح اور عیسائی قلعوں پر اسلامی پرچم لہرانے کے مناظر حسن و عشق کی چاشنی۔ ایک پادری کی لڑکی فلپانہ اور مسلمان سپہ سالار سعید کی باہمی محبت کی داستان۔ تصویردار قیمت عہ/

آستانہ کی حور۔ جنگ عظیم کے پرآشوب زمانے میں ترک قوم کی شجاعت و دلیری۔ ایثار و قربانی اور حور وش سعیدہ اور عارف بے کے عشق و محبت کا افسانہ۔ نوجوان ترکوں کے لئے وہ وقت بے حد نازک تھا جبکہ ایک طرف ترک فوجیں میدان جنگ میں اپنے دشمنوں

سے برسرپیکار تھیں۔ اور دوسری طرف غداران قوم جن ہیں داماد فرید پاشا پیش پیش تھا اتحادیوں سے قسطنطنیہ ان کے حوالے کر دینے کی ساز باز کر رہے تھے۔ اور انجمن اتحاد و ترقی کے سرکردہ افراد کو جن میں انور۔ طلعت جمال اور مصطفےٰ کمال جیسے محب وطن شامل تھے۔ قید و بند اور جلا وطنی کی سزائیں دی جارہی تھیں۔ ان شیفتگان وطن نے اناطولیہ کی صحرائی وسعتوں سے اٹھ کر داماد فرید اس کے ہم خیالوں اور خود سلطان المعظم کے وطن فروشانہ منصوبوں کو کس طرح خاک میں ملایا جنگ ترکی و یونان میں وہ کس طرح فتحمند ہوئے۔ اور انہوں نے کیونکر اقتدار حاصل کر کے شہنشاہیت کو جمہوری طریقہ حکومت میں تبدیل کیا۔ یہ سب کچھ اس ناول کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ جو نہایت دلچسپ اور دلنشین انداز میں لکھا گیا ہے سرورق ایک نازنین کے فوٹو سے مزین ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی۔ کاغذ سفید۔ ۲۹۸ صفحات مجلد قیمت ۲؎ بغیر جلد قیمت ۱۲؎

تین ترک جاسوس - یعنی انقلاب ترکی اور جنگ ترکی کی پراسرار کہانی ارباب حکومت انگورا کی زبانی مثل ہے۔ کہ اگر پردے کے سامنے کا نظارہ عجیب ہے۔ تو حالات پس پردہ عجیب تر ہوں گے۔ چنانچہ "تین ترک جاسوس" میں ان خفیہ سانحات کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جو اب تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ ملک عبدالقیوم سابق لکچرار یونیورسٹی آف لندن اڈیٹر "مسلم اسٹنڈرڈ" لندن کو اپنی سیاحت ترکی کے دوران میں ان ہوشربا رازوں کا علم ہوا جنہیں سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہنوز پردہ اخفا میں رکھا گیا تھا۔ اور موصوف نے ہندوستان آکر انہیں شائع کر دیا۔ صفحات ۲۷۲ قیمت ۱۰؎

مینیجر اُردو کتب خانہ پبلشر بالمقابل [illegible] برکت علی روڈ لاہور

بم کا نسخہ

جنگ عظیم میں دول متحدہ اور حکومت جرمنی کے اندرونی سیاسی راز تمام بیرونی دنیا کے لئے ایک گورکھ دھندا سا بنے رہے ہیں۔ اور اب تک کوئی نہیں جانتا۔ کہ قلعہ شکن توپوں اور ہلاکت آفرین گولوں کے علاوہ تدبر۔ حب الوطنی اور قوم پرستی کی ناقابل تسخیر قوتیں ٹڈی دل بری سپاہ اور عظیم الشان بحری اور ہوائی بیڑوں کے مقابلے میں کہاں تک کامیاب رہیں؟

اس جنگ میں انگلستان۔ فرانس۔ امریکہ۔ جاپان اور جرمنی کے خفیہ سراغ رساں نوجوان مردوں اور عورتوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر جو کارہائے نمایاں کئے۔ اس فسانہ میں انہیں نہایت زوردار پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ جو لوگ خدمت قوم اور شیفتگی وطن کے مقاصد اعلیٰ لے کر میدان عمل میں آئیں۔ ان کے قلوب میں ایک سرفروشانہ جذبۂ وطن کے باوجود ہمت و جرأت۔ ہوشیاری اور استقلال کی کیسی حیرت انگیز قوت موجود ہونی چاہئے۔ اور جو لوگ اپنے جذبۂ اشتعال کی وجہ سے احتیاط اور ہوشیاری کا دامن ترک کر دیں انہیں ناکامی و نامرادی کی ذلت سے کس طرح دوچار ہونا پڑتا ہے۔ عہ

ملنے کا پتہ۔ اردو کتب خانہ۔ لاہور

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام محمد علی خان پرنٹر و پبلشر کے زیر اہتمام چھپوا کر شائع کی۔